تدبّر

لاہور

جاری کردہ: مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مدیر: عبداللہ غلام احمد

یکے از مطبوعات:

ادارہ تدبر قرآن وحدیث

رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور، پاکستان

ای میل: tadabbur@hotmail.com

جاری کردہ
مولانا امین احسن اصلاحیؒ
مدیر:
عبداللہ غلام احمد

تدبّر
لاہور

شمارہ 91
جون، ستمبر 2006ء

فہرست

تذکرہ تبصرہ
مومنین کے مابین مصالحت کراؤ
عبداللہ غلام احمد 2

تدبر حدیث
• درس صحیح بخاری۔ کتاب فی المظالم والغصب کی روایات
مولانا امین احسن اصلاحیؒ / سید اسحاق علی 6
• درس موطا امام مالک۔ کتاب النکاح کی روایات
مولانا امین احسن اصلاحیؒ / سید اسحاق علی 18

مقالات
• سنت اللہ-۱ محبوب سبحانی 35

حاصل مطالعہ
اسلام۔ مستقبل کی بازیافت 44

مراسلہ مذاکرہ
مولانا امین احسن اصلاحیؒ / سید اسحاق علی 53

مجلس ادارت
محبوب سبحانی
سید اسحاق علی
محمد نعمان علی

قیمت: 15.00 روپے
سالانہ: 60.00 روپے
بیرون ملک: 400.00 روپے
(ماسوائے برصغیر)

ناشر: ادارہ تدبر قرآن وحدیث۔ رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور
E.mail : tadabbur @ hotmail .com

قرآن مجید مترجم
اردو ترجمہ: مولانا امین احسن اصلاحیؒ

صفحات: 920
سائز: 20 x 30 x 8
ترجمہ: بین السطور
ہدیہ: -/520

• عربی کتابت بڑے بڑے لفظوں میں اور نہایت روشن ہے۔
• دلکش طباعت • مضبوط جلد بندی

فاران فاؤنڈیشن فرسٹ فلور، ملک بلڈنگ، 19۔اے ایبٹ روڈ، لاہور۔
فون: 6303244-42-92+ ای میل: faran@wol.net.pk

قرآنِ حکیم

ترجمہ: مولانا امین احسن اصلاحیؒ
حواشی: مولانا خالد مسعودؒ

خصوصیات:
▪ فکرِ فراہی کی روشنی میں قرآن حکیم کا پہلا ترجمہ ▪ نفیس کتابت ▪ مضبوط جلد
▪ سفید زمین اور رنگین حاشیہ کے ساتھ عمدہ طباعت

قیمت: سٹینڈرڈ ایڈیشن: -/600 روپے حمائل ایڈیشن: -/425 روپے

فاران فاؤنڈیشن فرسٹ فلور، ملک بلڈنگ، 19۔اے ایبٹ روڈ، لاہور۔
فون: 6303244-42-92+ ای میل: faran@wol.net.pk

عبداللہ غلام احمد

مومنین کے مابین مصالحت کراؤ

آج عراق، افغانستان، کشمیر اور فلسطین میں مسلمانوں کا خون اس بے دردی سے بہہ رہا ہے کہ کلیجہ شق ہوتا ہے اور دل خون کے آنسو روتا ہے۔ گھروں کے اندر، گھروں کے باہر، گلیوں میں، بازاروں میں، سڑکوں پر، میدانوں میں، سایوں میں اور کھلے آسمان تلے ہر سو کٹی پھٹی اور جلی لاشیں بے گور و کفن پڑی ہیں۔ در و دیوار خون سے رنگین ہیں۔ بچہ محفوظ ہے نہ بوڑھا، عورت محفوظ ہے نہ مرد، شیعہ محفوظ ہے نہ سنی، ہر سمت تباہی اور بربادی اپنے مہیب سائے پھیلائے چلی جا رہی ہے۔ مسلمان جس کا خون بدر و حنین، قادسیہ اور یرموک کے لیے تھا، جس کے ایک قطرے سے کشتِ حق کو سیرابی، تاریخ کو زندگی، کلمہ حق کو بلندی، ایمان کو روئیدگی، جمال امت کو تابانی اور ایمان و اسلام کو درخشندگی حاصل تھی، آج وہ بغداد، سری نگر اور غزہ کی گلیوں میں پانی کی طرح بہہ رہا ہے۔ وہ مومن جسے اعلیٰ اور سربلند ہونا چاہیے تھا آج وہ ادنیٰ اور پست ہے۔ وہ مومن جو کفار کے مقابلے میں ناقابل شکست اور آپس میں رحم و شفقت کا نمونہ ہونا چاہیے تھا آج وہ اپنوں سے ہی دست بگریباں ہے۔ وہ مومن جس کی اذان سے سحر پیدا ہوتی تھی آج وہ مظلوم و مقہور، درماندہ و پامال اپنے ہی حریفوں کا دست نگر، باجگزار اور کاسہ لیس ہے۔ وہ مسلمان جو روشنی کا مینار تھا آج اسے دقیانوس، غیر مہذب، تنگ خیال، بنیاد پرست، انتہا پسند اور دہشت گرد جیسے طرح طرح کے ناموں سے موسوم کیا جا رہا ہے۔

آج دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ڈیڑھ ارب نفوس کے قریب ہے۔ اتنی کثیر تعداد کے باوجود ہم کس طرح ہر اک کے لیے لقمہ تر بنے ہوئے ہیں۔ ہر طرف دشمنوں کی یلغار ہے۔ مسلمان خوف سے دبکے اپنی اپنی جان کی فکر میں پریشان ہیں اور شدید قسم کے وھن میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ آج تاریخ نے ہم سے منہ موڑ لیا ہے گویا ہم اپنی عظمت سے کبھی آشنا نہیں رہے۔ مسلمان جو آپس میں بھائی بھائی تھے اور ایک بنیان مرصوص کی مانند تھے آج تفرق و تشتت کا شکار ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں کی پامالی کے بہت سارے داخلی اور خارجی عوامل ہیں مگر سب سے بڑا داخلی عامل مسلمانوں کے اندر شفقت، محبت، اخوت اور اتحاد کا فقدان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۠

(الحجرات ۴۹:۱۰)

''مسلمان باہم دگر بھائی بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں کے مابین مصالحت کراؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

مسلمانوں کا معاملہ مسلمانوں کے ساتھ اخوت کا ہونا چاہیے نہ کہ کسی نسلی، گروہی، علاقائی یا ملکی عصبیت پر بلکہ ان کے درمیان معاملات اخوت، محبت اور شفقت کی بنیاد پر ہونے چاہئیں، گروہ بندی گلی محلوں، قصبوں اور شہروں سے بڑھ کر صوبوں اور ملکوں کی سطح پر بھی ہو سکتی ہے۔ بین اخویکم سے مراد نہ صرف ''دو بھائیوں کے درمیان یا دو گروہوں کے درمیان'' ہے بلکہ اس کے مفہوم میں ''دو قوموں اور دو ملکوں کے درمیان'' بھی شامل ہے۔

مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ان کے درمیان کوئی جھگڑا، نزاع یا جنگ ان کی باہمی اخوت کی روح ہی کے خلاف ہے۔ جن لوگوں میں باہم رحمت، شفقت اور خیر خواہی کا جذبہ ہوتا ہے ان کے درمیان نزاع کا اس حد تک بڑھنا کہ وہ جنگ کی صورت اختیار کر لے ان کے شایان شان نہیں۔ ہاں! البتہ شیطان کی انگیخت سے کوئی نزاع پیدا ہو جائے یا دشمن اپنے مفادات کے حصول کی خاطر ملکی وسائل پر قبضہ کرنے کے لیے کوئی حیلہ کرے اور مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈال کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہے تو مسلمانوں کے کسی گروہ کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنی ذاتی رنجشوں کو بنیاد بنا کر اپنے بھائیوں کی مخالفت میں دشمن کی مدد کرے اور اس کو یہ دعوت دے کہ وہ ملک پر حملہ آور ہو، اس گروہ کو اس کے بھائیوں سے بزور آزادی دلوائے اور جمہوریت قائم کرے بلکہ صحیح راستہ یہ ہے کہ وہ خود ہی آپس میں مصالحت اور مفاہمت کے لیے جدوجہد کریں۔ دوسرے مسلمانوں کے لیے فرض ہے کہ وہ ان کے درمیان مصالحت کرانے کی کوشش کریں نہ کہ آگ بھڑکانے کی۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ٥ یعنی اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اگر مسلمانوں کے دو گروہ یا ملک آپس میں لڑ پڑیں تو دوسرے مسلمانوں کو پرایا جھگڑا سمجھ کر الگ تھلگ نہیں رہنا چاہیے اور نہ بیٹھے ان کا تماشا دیکھنا چاہیے بلکہ ان کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے دکھ تکلیف کو اپنا دکھ سمجھیں، ان کے خون کو اپنا خون سمجھیں، ان کی عزت و عصمت کو اپنی عزت و عصمت سمجھیں۔ ان کے دکھ درد کے لیے بے چین ہو جائیں۔ مسلمانوں کی مثال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

تری المومنین فی تراحمہم و توادھم وتعاطفہم کمثل الجسد اذا
اشتکیٰ عضواتداعی لہ سائر جسدہ بالسہر والحمیٰ
(البخاری۔الادب)

"مومنوں کی مثال آپس کی محبت، وابستگی اور ایک دوسرے پر رحم وشفقت کے معاملے میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کی حالت ہوتی ہے کہ اس کے کسی عضو کو بھی تکلیف ہو تو سارا جسم اس پر بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

ایک اور موقعہ پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا (البخاری۔الادب)

"مومن ایک دوسرے کے لیے اینٹوں کی دیوار کی مانند ہے کہ ہر ایک دوسرے سے تقویت حاصل کرتا ہے۔"

چنانچہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے ہر ممکن ذرائع استعمال کر کے مسلمانوں کے درمیان صلح کرائیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں، عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ جہاں طاقت استعمال ہو سکتی ہو طاقت استعمال کریں۔ جہاں اثر و رسوخ کارگر ہو سکتا ہے وہاں اس سے کام لیں۔ جہاں معاشرتی، اخلاقی اور اقتصادی پابندیاں عائد ہو سکتی ہوں وہ عائد کریں۔ ملکوں کے درمیان نزاع کے معاملے میں اور ملکوں کے اندر متصادم بڑے گروہوں کے درمیان نزاع کے معاملے میں دنیا کے بااثر علمی اور سیاسی شخصیات، اسلامی ممالک کے سربراہوں اور ان کے سفیروں کو اپنا فرض سمجھتے ہوئے آگے بڑھنا چاہیے اور متحارب گروہوں اور ممالک کو سمجھانے کو کوشش کرنی چاہیے۔ او۔آئی۔سی کا پلیٹ فارم موجود ہے۔ اس کو زیادہ فعال، جرأت مند، مؤثر اور ملی تقاضوں سے ہم آہنگ بنانے کی ضرورت ہے۔ او۔آئی۔سی کی کمزوری کا سب سے بڑا سبب اصل میں مسلمان ممالک کا ملت اسلامیہ کے مفاد کے مقابلہ میں اپنے اپنے مفاد کو ترجیح دینا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ مسلمان ممالک اپنی ترجیحات سے بالاتر ہو کر اس تنظیم کی کمزوریوں کو دور کریں اور اس کو اس سطح پر لائیں کہ یہ مسلمانوں کے درمیان مصالحت کرانے کو پوزیشن میں ہو جائے۔ اور اگر یہ ممکن نہیں ہے اور ایک نئی تنظیم قائم کرنے کی ضرورت ہے تو جلد اسے قائم کرنا چاہیے۔ یہ نئی تنظیم خالصتاً مسلمانوں کی صلاح و فلاح اور اخوت و محبت کی بنیاد پر قائم ہونی چاہیے۔

دو گروہوں، دو قبیلوں، دو ملکوں کے درمیان خدانخواستہ اگر نزاع واقع ہو جائے تو ان کے درمیان صلح اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتی جب تک کہ فریقین کے درمیان ایک مرکزی طاقت موجود نہ ہو جو مداخلت کرنے کی پوزیشن میں ہو۔ اس زمانے میں عالمی حالات میں ایک پیچیدہ صورت پیدا ہو گئی ہے۔ بہت سی چھوٹی بڑی مسلمان مملکتیں الگ الگ قائم ہو گئیں ہیں یا کر دی گئی ہیں۔ ان کی مدد کے لیے یا ان کو دبانے کے لیے، ان کی حکومت اور وسائل پر قبضہ جمانے کے لیے، ان کو اکھاڑنے پچھاڑنے اور قتل و غارت کے لیے حریص اور عیار ہاتھ دنیا کے کونے کونے سے اکٹھے ہو کر چند گھنٹوں میں آ دھمکتے ہیں اور ظلم و تشدد کے پنجے گاڑ دیتے ہیں۔ مصالحت کا موقعہ ہی نہیں پیدا ہونے دیتے بلکہ نزاع اور قتل پر پہلے اکساتے ہیں تاکہ مسلمان آپس میں لڑ لڑ کر خود ہی کمزور اور مضمحل ہو جائیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ دانشمندی سے کام لیں اور سارا کا سارا الزام دشمن پر دھرنے کی بجائے خود اپنا احتساب کریں۔ اپنے ہمسایہ مسلم ممالک اور قوموں کے ساتھ صلح و آشتی کے ساتھ رہیں۔ دوسرے مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے ہر قسم کے ممکن وسائل بروئے کار لائیں۔ مصالحت کی کوشش کا جو حکم اس آیہ کریمہ میں دیا گیا ہے اس کی تعمیل ہر ایک کو کرنی ہو گی البتہ عملی مداخلت کا انحصار صورت معاملہ پر ہے جس کا تعلق وقت کے سیاسی تقاضوں سے ہے۔ اگر صورت حال اجازت دے گی تو تعدی کرنے والے فریق کو حق کے آگے جھکانے کے لیے اس کے خلاف طاقت استعمال کرنا بالکل جائز ہو گا۔ اگر مزید بین الملکی یا بین الاقوامی پیچیدگیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو عملی مداخلت سے گریز اختیار کیا جائے گا لیکن مصالحت کی جدوجہد سے گریز کسی صورت جائز نہیں۔

آج جن مواقع پر تقویٰ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے یا جن لوگوں کو متقی سمجھا جاتا ہے اگر تجزیہ کر کے ان کا قدر مشترک نکالا جائے تو تقویٰ کے متعلق چند چیزیں لازماً سامنے آئیں گی۔ مثلاً یہ کہ تقویٰ ایک ایسا درجہ ہے جس کے لیے اتباع شریعت اور حفاظت حدود الٰہی کی عام جدوجہد کے سوا 'کچھ اور' بھی مطلوب ہے اور یہ 'کچھ اور' اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے آگے خود شریعت کے فرائض و حدود اور اس کے قیام و حفاظت کی ذمہ داریاں بہت ہلکی ہو گئی ہیں۔ آپ کو بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جن کی ساری ذہنی و عملی قوتیں ایسے کاموں پر صرف ہو رہی ہیں جو نہ صرف یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی شریعت کی نظر میں کوئی قیمت نہیں رکھتے، بلکہ ان کاموں کی کامیابی اور ترقی اللہ اور اس کے رسول کے دین کی پستی اور بربادی کے ہم معنی ہے؛ لیکن اس کے باوجود ان کے تقویٰ میں کوئی فتور واقع نہیں ہوتا اور وہ اپنے اس 'کچھ اور' کی بدولت بدستور نہ صرف متقی بنے ہوئے ہیں، بلکہ برابر تقویٰ کے مدارج و مقامات میں ترقی کرتے چلے جا رہے ہیں۔ (حقیقت تقویٰ)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

درس صحیح بخاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۸۔باب: الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ یوم الْقِیامَةِ

باب: اس بارے میں کہ ظلم قیامت کے دن تاریکیوں میں سے ہوگا

۸۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُبْنُ یُونُس حَدَّثَنَا عَبْدُالعَزِیْزِ المَاجِشُونُ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دِیْنَارٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ یَومَ الْقِیَامَةِ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ظلم قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے۔

وضاحت:

ہر ظلم اپنی نوعیت کے لحاظ سے الگ الگ تاریکیوں کی صورت میں نمودار ہوگا۔ اور ظالم کو قیامت کے دن تاریکیوں سے سابقہ پیش آئے گا۔ اس کی صحیح نوعیت کیا ہوگی یہ اللہ کو معلوم ہے۔

۹۔باب: الاتِّقَاءِ وَالحَذَرِ مِنْ دَعْوَةِ المَظْلُوْمِ

باب: مظلوم کی پکار سے بچنے کے بارے میں

۹۔ حَدَّثَنَا یَحْیَ بْنُ مُوسیٰ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ حَدَّثَنَا زَکَرِیَّاءُ بْنُ اِسْحٰقَ المَکِّیُّ

عَنْ یَحْییٰ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ صَیْفِیٍّ عَنْ اَبِی مَعْبَدٍ مَولیٰ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا اِلَی الیَمَنِ فَقَالَ: اتَّقِ دَعْوَةَ المَظْلُومِ، فَاِنَّهَا لَیْسَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو ہدایت کی کہ مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی روک نہیں ہے۔

وضاحت:

یہ بہت قیمتی حدیث ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کا گورنر مقرر کیا تو رخصت کرتے وقت ان کو نصیحت کی کہ کہیں تم مظلوم کی بددعا کی زد میں نہ آجانا۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ اسی کام پر مامور کیے جائیں کہ لوگوں کی دادرسی کریں اور لوگوں کو دوسروں کے ظلم سے بچائیں تو ان کو خود اس بات سے بدرجہ اولیٰ بچنا چاہیے کہ وہ کہیں ظلم کا سبب نہ بن جائیں۔ جو لوگ حکومتی اقتدار اور اختیارات حاصل کر لیتے ہیں تو ان کے غلط استعمال سے اپنے کو بچائے رکھنا انہیں خاصا گراں گزرتا ہے۔ پھر معاشرے کے زور آور عناصر ان کا قرب حاصل کر کے من مانیاں کرتے اور کمزوروں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ آپ اپنے معاشرے اور حکومت ہی کے رویہ کو دیکھ لیجیے۔ کمزور ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں اور کہیں ان کی شنوائی نہیں ہوتی۔ نبی ﷺ نے حضرت معاذ کو خبردار کیا کہ کمزوروں کی آہ اور بددعا سات آسمانوں پر اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور کوئی ظالم اس کے برے نتائج سے بچ نہیں سکتا۔ حضور کی یہ ہدایت تمام زمانوں کے حکمرانوں اور ظالموں کے لیے ہے۔

۱۰۔باب: مَنْ کَانَتْ لَه مَظْلِمَةٌ عِنْدَالرَّجُلِ فَحَلَّلَهَا لَهُ هَلْ یُبَیِّنُ مَظْلِمَتَهُ

باب: اس بارے میں کہ جس کسی کی کوئی زیادتی کسی شخص کے پاس ہو اور وہ اس معاملہ کو صاف کرالے تو کیا اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی اس تعدی کو بیان بھی کرے۔

۱۰۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ اَبِی اِیَاسٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِی ذِئْبٍ حَدَّثَنَا سَعِیْدٌ المَقْبُرِیُّ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ کَانَتْ لَهُ مَظْلِمَةٌ

لِاَحَدٍ مِنْ عِرْضِهِ اَوْ شَیْءٍ فَلْیَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْیَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَا یَکُوْنَ دِیْنَارٌ وَّلَادِرْھَمٌ اِنْ کَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهٖ وَاِنْ لَّمْ تَکُنْ لَهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَیِّئَاتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَیْهِ قَالَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ قَالَ اِسْمٰعِیْلُ بْنُ اَبِیْ اُوَیْسٍ اِنَّمَا سُمِّیَ الْمَقْبُرِیُّ لِاَنَّهٗ کَانَ نَزَلَ نَاحِیَةَ الْمَقَابِرِ قَالَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ وَ سَعِیْدٌ الْمَقْبُرِیُّ هُوَ مَوْ لٰی بَنِیْ لَیْثٍ وَهُوَسَعِیْدُبْنُ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاسْمُ اَبِیْ سَعِیْدٍ کَیْسَانُ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کی کسی کے اوپر کوئی تعدی ہو، خواہ اس کی آبرو پر یا کسی اور چیز پر، تو چاہیے کہ آج ہی وہ اس سے اپنا معاملہ صاف کرا لے، اس وقت کے آنے سے پہلے جب کہ کسی کے پاس کوئی دینار ہوگا نہ کوئی درہم۔ اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو وہ اس کے ظلم کے بقدر لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی تو اس کے حریف کے جو برائیاں ہوں گی وہ اس کے کھاتے میں ڈال دی جائیں گی۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ سعید ایک آزاد کردہ غلام تھے۔ لوگ ان کو مقبری اس لیے کہتے کہ وہ مقبروں کے پاس رہا کرتے تھے۔ وہ بنی لیث کے غلام اور ابوسعید کیسان کے بیٹے تھے۔

وضاحت:

کسی سے کوئی معاملہ ہوا اور زیادتی کی ہو، کسی کی عزت و آبرو پر یا اس کے مال پر یا جان پر ہاتھ ڈالا ہو تو یہیں اس دنیا میں حساب کرا لیجیے ورنہ قیامت کے روز جب حساب ہوگا وہاں کوئی چیز کسی کے پاس ہوگی نہیں کہ معاملہ کا عوض دے سکیں، تو یہ ہوگا کہ آپ کی نیکی بقدر آپ کے ظلم کے اس کے حساب میں ڈال دی جائے گی۔ اور اگر کوئی نیکی نہ ہوئی تو اس کی برائیاں آپ کے کھاتے میں ڈال دی جائیں گی اور آپ پر مصیبت آ جائے گی۔

حدیث تو واضح ہے البتہ باب جو باندھا ہے اس میں یہ بات بھی ہے کہ معاملہ طے کرتے وقت کیا یہ ضروری ہے کہ اپنے ظلم کو بیان بھی کرے۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ بعض صورتوں میں بیان کیے بغیر بات نہیں بنتی لیکن بعض صورتوں میں بیان کرنے کا فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہوگا۔ فرض کر لیجیے کہ آپ نے کسی کی غیبت کی ہے، برا بھلا کہا ہے لیکن اس کو پتہ نہیں ہے تو خواہ مخواہ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں نے آپ کو گالی دی

ہے۔ اس شکل میں صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں، اس کی تعیین کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر آپ نے اس کا مال ہڑپ کیا ہے یا کوئی نقصان پہنچایا ہے تب ضروری ہے کہ تعیین کرے کہ فلاں موقع پر میں نے آپ کی جیب سے اتنے نوٹ اڑا لیے تھے۔ اب یہ ہے کہ دو شکلیں ہیں۔ اگر آپ کے پاس رقم ہے تو ادا کر دیں اور اگر ادا نہیں کر سکتے تو درخواست کریں کہ معاف کر دے اور اب یہ اس پر ہے کہ معاف کرے یا نہ کرے۔ اس کو حق ہے لیکن وضاحت کے بغیر یہاں بات نہیں بنے گی۔ باب میں امام صاحب نے ھل یبین کہہ کر سوال کو چھوڑ دیا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ اختلاف رہا ہوگا، بعض نے کہا ہوگا کہ تعیین ضروری ہے، بعض نے کہا ضروری نہیں ہے۔ روایت سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ کیا ہونا چاہیے۔ عقل عامہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تعیین بعض حالات میں ضروری ہے اور یہ کہ معاملہ کو صاف کرانا ضروری ہے۔ میں لوگوں کی دو قسمیں کرتا ہوں۔ جو لوگ پبلک میں لیڈر بن کر آتے ہیں ان کے بخیے ادھیڑنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

ماضی میں مسلمان رعایا نے اپنے حکمرانوں کی غلطیوں سے برملا پردہ اٹھایا ہے اور ان کی کوتاہیوں کی باز پرس کی ہے۔ لیکن جو لوگ یہ حیثیت نہیں رکھتے تو بے شک ان کے معاملات میں زبان بند رکھنی چاہیے اور کبھی کسی کے بارے میں کوئی بات ہو جائے اور اس کے علم میں آ جائے تو تعیین کر کے معافی مانگ لینی چاہیے لیکن اس کے علم میں نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لینی چاہیے۔ حقوق کا اگر معاملہ ہے تو ادا کر سکتے ہوں تو ادا کرنا پڑے گا ورنہ معافی مانگنی پڑے گی اور وہ معاف کرے گا تب حساب صاف ہوگا۔

۱۱۔ باب: اِذَا حَلَّلَهٗ مِنْ ظُلْمِهٖ فَلَا رُجُوْعَ فِیْهِ

باب: اس بارے میں کہ جب مظلوم نے ظالم کو اس کے ظلم سے بری الذمہ قرار دے دیا تو پھر اس معاملہ میں رجوع جائز نہیں ہے۔

ضمیر کا مرجع کوئی نہیں ہے۔ یہاں مفعول کو ظاہر کرنا چاہیے تھا۔ اگرچہ جو روایت دی ہے اس میں یہ ہے کہ اگر بیوی نے شوہر کو بری الذمہ قرار دے دیا تو اس میں رجوع جائز نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بیوی شوہر سے کہہ دیتی ہے کہ میں نے تم کو اپنی باری کی ذمہ داری سے سبکدوش کیا تو پھر وہ اپنے معاملہ میں رجوع نہیں کر سکتی۔ یہ امام صاحب کا موقف ہے۔

۱۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا ، وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَانُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا، قَالَتْ

الرَّجُلُ يَكُونُ عِنْدَهُ الْمَرْاَةُ لَيْسَ بِمُسْتَكْثِرٍ مِنْهَا يُرِيدُ اَنْ يُفَارِقَهَا فَتَقُولُ اَجْعَلُكَ مِنْ شَانِي فِي حِلٍّ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِي ذٰلِكَ۔

ترجمہ: ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ آیت اگر ایک عورت کو اندیشہ ہو اپنے شوہر کی طرف سے کہ وہ بے پروائی برتے گا یا اعراض کرے گا، کے بارے میں فرماتی ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے پاس ایک بیوی ہوتی ہے جس سے وہ زیادہ تعلق نہیں رکھنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے مفارقت حاصل کرلے تو ایسی حالت میں عورت یہ کہے کہ میں اپنے خاص معاملات میں اپنے متعلق ذمہ داری سے تم کو بری الذمہ کرتی ہوں، تو اس صورت حال کے لیے یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

وضاحت:

حدیث کا ترجمہ آسان نہیں ہے۔ میں نے محنت کر کے تیار کیا ہے۔

اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے بے پروائی کا یا طلاق کا اندیشہ ہے تو قرآن کی تلقین یہی ہے کہ رشتۂ ازواج کو منقطع کرنے کا راستہ نہیں کھولنا چاہیے۔ عورت کے لیے مناسب یہی ہے کہ کچھ رخصت دے کر کوشش یہی کرے کہ رشتہ قائم رہے۔ یہ مسئلہ ہے اور بالکل بدیہی چیز ہے۔ رشتۂ ازواج ایسی چیز نہیں جس پر آپ جب چاہیں قینچی چلا دیں۔ اس معاملہ میں جس طریقہ سے مردوں کو مختلف ہدایات دی گئی ہیں اسی طریقہ سے عورتوں کو ہدایات دی گئی ہیں اور یہ ہدایت اس زمرے کی ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ ایثار کر کے کسی نہ کسی طریقہ سے تعلق کو قائم رکھنے کی کوشش کی جائے۔ فرض کر لیجیے کہ مرد اپنی پابندی کو نرم کروانا چاہتا ہے اور عورت اپنے حق کے معاملہ کو میں کوئی کمی کر دے تو یہ پسندیدہ ہے۔

باب کی عبارت یہ ہے کہ اذا احللہ من ظلمہ فلا رجوع فیہ اس حدیث کے حوالہ سے ترجمہ یہ ہوگا کہ جب عورت شوہر کو کسی ذمہ داری سے بری الذمہ قرار دے دے تو پھر اس معاملہ میں اس کے لیے رجوع جائز نہیں ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ حدیث سے یہ بات کہاں نکلتی ہے۔ قرآن مجید کی آیت کا جو حوالہ ہے یہ ہے کہ آپس میں کچھ لے دے کر اپنا مسئلہ حل کر لیں۔ یہ کہیں نہیں آیا کہ عورت نے کہہ دیا کہ میں اپنی بارے سے بری الذمہ قرار دیتی ہوں تو پھر اس بارے میں رجوع نہیں کر سکتی۔ اگر آپ کہیں کہ اس طریقہ کے معاملات میں جب برأت دے دی گئی تو پھر اس کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے تو یہ بات قرآن کی آیت میں نہیں، حدیث میں بھی نہیں اور عقل کے بھی خلاف ہے۔ عورت اگر کچھ رعایتیں دے گی تو وہ بھی کچھ مصالح کو پیش نظر رکھ کر دے گی اور اگر

ان مصالح کو کچھ نقصان پہنچ رہا ہے تو وہ مطالبہ کر سکتی ہے کہ میں نے تم کو یہ اجازت دے دی تھی لیکن تم نے فلاں بات نہیں کی۔ اس لیے اب میں اپنی اجازت واپس لیتی ہوں، تو یہ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ چیز مشروط بشرائط ہے، اور چاہے الفاظ میں نہ ہو لیکن معاملہ میں مضمر ضرور ہے۔ اس میں حضرت سودہؓ کے واقعہ کو لانا بھی بالکل غلط ہے۔ اس کی نوعیت بالکل دوسری ہے اور یہ بات بھی ہے کہ حضرت سودہؓ آنحضرت ﷺ سے نسبت کے سوا کسی اور بات کی تمنا نہیں رکھتی تھیں۔

آیت سے اور حدیث سے صرف یہ بات نکلتی ہے کہ میاں بیوی کو چاہیے کہ رشتۂ ازدواج کو سہل چیز نہ سمجھیں اور اگر عورت کو ایثار کرنے کی ضرورت ہے تو وہ کرے اور اگر مرد کو ضرورت ہے تو وہ ایثار کرے۔

۱۲۔ باب: اِذَا اَذِنَ لَهُ اَوْ اَحَلَّهُ وَلَمْ يُبَيِّنْ كَمْ هُوَ

باب: اس بارے میں کہ جب اس نے اجازت دے دی یا برأت دے دی اور نہیں واضح کیا کہ وہ کتنی ہے۔

۱۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ اَبِيْ حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ سَهلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ اُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَعَنْ يَمِينِهِ غُلَامٌ وَ عَنْ يَسَارِهِ الْاَشْيَاخُ فَقَالَ لِلْغُلَامِ اَتَاْذَنُ لِي اَنْ اُعْطِيَ هٰؤُلَاءِ ،فَقَالَ الْغُلَامُ : لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَا اُوثِرُ بِنَصِيبِي مِنْكَ اَحَدًا ، قَالَ فَتَلَّهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي يَدِهِ۔

ترجمہ: سہل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پینے کی کوئی چیز پیش کی گئی تو آپ نے اس میں سے کچھ پیا۔ آپ کے دہنے ایک لڑکا بیٹھا تھا اور بائیں بزرگ لوگ تھے تو آپ نے لڑکے سے کہا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں ان لوگوں کو یہ پیالہ دے دوں تو لڑکے نے کہا نہیں، اللہ کی قسم یا رسول اللہ، میں اپنا حصہ جو آپ سے مجھے ملنے والا ہے کسی اور کو دینے والا نہیں ہوں، آخر رسول اللہ ﷺ نے وہ پیالہ اسی کے ہاتھ میں تھما دیا۔

وضاحت:

یہ روایت تو بہت اچھی ہے لیکن امام صاحب نے جو باب باندھا ہے میری سمجھ اس سے ابا کر رہی ہے۔

باب یہ ہے کہ جب آدمی نے کسی کو اجازت دے دی یا بری الذمہ قرار دے دیا اور یہ نہیں بیان کیا کہ اجازت کتنی ہے تب کیا حکم ہوگا۔ یعنی فرض کر لیجیے کہ اس لڑکے نے اجازت دے دی ہوتی کہ جی ہاں، آپ ان بزرگوں کو دے دیجیے تو جائز تو ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر لڑکے نے اپنا حق کئی آدمیوں کو مشترک طریقہ سے دے دیا ہوتا۔ تو یہ مسئلہ تو ملک مشاع کا ہوتا، برأت ذمہ کا مسئلہ تو نہیں ہوا۔ یہ تو مسئلہ اس باب کا ہے بھی نہیں، اگر مسئلہ ہے تو تو یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی ملکیت ایک جماعت کو دے دی، یہ بتائے بغیر کہ کس کا کتنا حصہ ہے۔ امام صاحب کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے، بھلا اس میں کس کو شک ہے۔ لیکن چونکہ امام صاحب نے اس سے پہلے بھی باب لفظ تبیین کے ساتھ باندھا ہے اور یہ ان کا مسلک ہے تو یہاں ایک غیر متعلق باب میں اس کو داخل کر دیا جبکہ یہاں تبیین کا کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں۔ اور نہ دفع مظنہ کا کوئی مسئلہ ہے۔ یہاں آپ کہہ سکتے ہیں کہ ملک مشاع کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے تو یہ کہنا جائز ہے۔ آپ کوئی چیز کسی جماعت کو دے دیں یہ بتائے بغیر کہ کس کا کتنا حصہ ہے تو وہ اپنا معاملہ خود طے کریں گے۔ باب تو اس پر باندھنا چاہیے تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی ملکیت کسی جماعت کے سپرد کر دے تو اس کے کیا احکام ہیں، تقسیم کس طریقہ پر ہوگی۔ یہاں باب کو حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بات بھی ہے کہ تمام بحث مفروضہ کے اوپر ہے کہ اگر وہ لڑکا پیالہ اشیاخ کو دے دیتا تو جائز ہوتا لیکن اس شکل میں تبیین تو نہ ہوتی۔

پیچھے میں اپنا نقطہ نظر پیش کر چکا ہوں کہ ضروری نہیں کہ ہر حالت میں آپ وضاحت کریں، بعض صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جہاں وضاحت نہ کرنا ہی مناسب ہے۔

باب جو باندھا ہے اس میں ضمیریں آ رہی ہیں لیکن مرجع کوئی نہیں، لہ کا مرجع کون ہے حللہ میں مفعول کا مرجع کون، یہ سب طے کرنا پڑے گا۔

۱۳۔ باب: اِثْمِ مَنْ ظَلَمَ شَيْئًا مِنَ الأَرْضِ

باب: اس شخص کا گناہ جو کسی کی زمین ہڑپ کر لے

۱۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي طَلْحَةُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ أَنَّ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ عَمْرِو ابْنِ سَهْلٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ ظَلَمَ مِنَ الأَرْضِ شَيْئًا طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ۔

ترجمہ: سعید بن زیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جس نے کسی کی زمین کا کوئی حصہ ہڑپ کیا تو اس کو طوق سات زمینوں میں سے باندھا جائے گا۔

وضاحت:

من سبع ارضین کا جو مطلب سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ برابر برابر سات ٹکڑے بنا کر اس کے گلے میں طوق ڈال دیا جائے گا۔

یہ بات یاد رکھیے کہ یہاں روایت کا ایک جھول بھی ہے۔ اس روایت میں طوقہ آیا ہے۔ دوسری روایت میں خسف بہ ہے۔ اور الی ہے۔ من نہیں ہے۔ اس طرح کے معاملات میں ایک بڑی الجھن یہ پیدا ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تو ایک فرمائی ہوگی اور یہ دونوں باتیں بہت مختلف ہو جاتی ہیں۔ روایت بالمعنیٰ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔ راوی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی یا اس کے ذہن نے محفوظ نہیں رکھا کہ آپ نے کیا فرمایا تھا۔ طوقہ یا خسف بہ اور الیٰ یا مِن، معلوم ہوتا ہے کہ جس راوی نے جو کچھ سمجھا ہے۔ وہ بیان کر دیا ہے۔ روایت بالمعنیٰ سے فرق تو ہو جائے گا اس لیے کہ یہاں اگر طوقہ من سبع ارضین ہے تو مطلب یہ ہے کہ اس کے مثل سات حصہ زمین لے کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا اور اگر خسف به الی سبع ارضین ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ دھنسا دیا جائے گا اس قطعہ زمین کے ساتھ سات طبقات زمین میں۔ ظاہر ہے دونوں کا الگ الگ مطلب ہے۔ اب اگر کوئی فقہی مسئلہ ہو تو روایت بالمعنیٰ کی وجہ سے اس میں بڑی پیچیدگی پیدا ہو سکتی ہے۔ محدثین روایت بالمعنیٰ میں شرط یہ لگاتے ہیں کہ راوی مطلب میں کوئی فرق نہ کر دے۔ لیکن اس شرط کے لگانے کا فائدہ کیا ہے اس لیے کہ جو کچھ اس کی سمجھ میں آئے گا وہ بیان کرے گا۔ اس کا علم اتنا ہو کہ فرق تو نہ کرے اور اس کے باوجود الفاظ بدل دے، یہ کس طریقہ سے ممکن ہے۔ یہ تعلیق بالمحال ہے۔ روایت بالمعنیٰ کا حامی تو میں بھی ہوں اور اس میں شبہ نہیں کہ اس کے بغیر کام بھی نہیں چل سکتا۔ اگر روایت باللفظ ہو تو اس کے لیے اہتمام وہ کرنا پڑتا جو قرآن کے لیے کیا گیا اور حدیث کے لیے یہ ممکن نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سارا ذخیرہ حدیث ختم ہو جاتا۔ روایت بالمعنیٰ کی وجہ سے جو مشکلیں پیدا ہوتی ہیں ان کو دور کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے بڑے علم اور ذہانت کی ضرورت ہے۔ اس کی وجہ سے اکثر روایات میں بہت سے امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔ بعض جگہ مطلب کچھ کا کچھ ہو گیا جیسا کہ سیدہ عائشہؓ نے جن روایات میں حضرت ابوہریرہؓ پر اعتراض کیا۔ العیاذ باللہ، آنحضرت ﷺ نے کیا فرمایا تھا اور ابوہریرہؓ نے کیا بنا دیا۔ بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔ اس کی مثالیں موجود ہیں۔ میں نے اپنی کتاب مبادی تدبر حدیث میں ان مشکلات کی طرف بہت اجمال کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء حضرات یوں ہی برہم ہوتے ہیں۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس میں مشکلیں

بہت ہیں۔ اور یہ بھی ان مشکلوں میں سے ایک ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک ہی بات فرمائی ہوگی۔ ایک صاحب نے یہ سمجھا کہ وہ اس کے ساتھ دھنسا دیا جائے گا۔ دوسرے نے سمجھا گلے میں طوق ڈال دیا جائے گا تو دونوں میں بڑا فرق ہے۔ میرا جواب یہ ہے کہ یہ فرق روایت بالمعنی کی وجہ سے ہے۔

١٤۔ حَدَّثَنَا اَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِي كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ اَنَّ اَبَا سَلَمَةَ حَدَّثَهُ اَنَّهُ كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اُنَاسٍ خُصُومَةٌ فَذَكَرَ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللهِ عَنْهَا فَقَالَتْ يَا اَبَا سَلَمَةَ اجْتَنِبِ الْاَرْضَ فَاِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ ظَلَمَ قِيدَ شِبْرٍ مِنَ الْاَرْضِ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ اَرَضِينَ۔

ترجمہ: محمد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ ابوسلمہ نے ان سے بیان کیا کہ ان کے اور کچھ لوگوں کے درمیان قضیہ تھا تو انہوں نے سیدہ عائشہؓ سے ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اے ابوسلمہ زمین کے معاملہ میں بچو کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کسی نے ایک بالشت کے برابر بھی کسی کی زمین ہڑپ کی تو اس کو سات زمینوں میں سے طوق ڈالا جائے گا۔

١٥۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا مُوسَىٰ بْنُ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَى سَبْعِ اَرَضِينَ قَالَ اَبُو عَبْدِاللهِ، هٰذَا الْحَدِيثُ لَيْسَ بِخُرَاسَانَ ، فِي كِتَابِ ابْنِ الْمُبَارَكِ اَمْلَاهُ عَلَيْهِمْ بِالْبَصْرَةِ۔

ترجمہ: سالم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کسی نے کسی کی زمین میں سے بغیر کسی حق کے ذرا بھی لیا تو اس کے ساتھ قیامت کے دن اس کو دھنسا دیا جائے گا سات زمینوں کے اندر۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابن المبارک کی کتاب میں خراسان کے نسخہ میں نہیں ہے یہ انہوں نے شاگردوں کو بصرہ میں لکھوائی تھی۔

وضاحت:

یہاں الفاظ بدل گئے ہیں اور یہ ماننا پڑے گا کہ راوی نے جو سمجھا ہے وہ بیان کیا ہے۔ روایت بالمعنی میں

یہ ہوتا ہے۔ اسی لیے لوگ شرط لگاتے ہیں کہ ایک تو راوی سمجھدار ہو، دوسرے یہ کہ معنی میں کوئی تبدیلی نہ کرے۔ آپ کو اتنے سمجھدار آدمی کہاں ملیں گے۔

ابوعبداللہ (امام بخاری) کہتے ہیں کہ یہ حدیث خراسان کے نسخوں میں نہیں ہے۔ وہ کتاب جو عبداللہ بن مبارک نے بصرہ میں املا کرائی اس میں یہ حدیث ہے۔ صحیح بخاری کے مختلف نسخوں میں اس طرح کا فرق ہے اور یہ فرق موطاء کے نسخوں میں بھی بہت ہے۔

۱۴۔ باب: اِذَا اَذِنَ اِنْسَانٌ لِاٰخَرَ شَيْئًا جَازَ

باب: اس بارے میں کہ جب ایک انسان نے کسی دوسرے انسان کو کسی بات کی اجازت دے دی تو وہ جائز ہے۔

وضاحت:

اس اجازت میں یہ شرط ہونی چاہیے کہ کام جائز ہو تب اگر کام ناجائز ہو اور وہ اجازت دے بھی دے تو جائز نہیں ہو جائے گا۔

١٦۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ جَبَلَةَ كُنَّا بِالْمَدِينَةِ فِي بَعْضِ اَهْلِ الْعِرَاقِ فَاَصَابَنَا سَنَةٌ فَكَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَرْزُقُنَا التَّمْرَ فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَمُرُّ بِنَا فَيَقُولُ اِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْاِقْرَانِ اِلَّا اَنْ يَسْتَاذِنَ الرَّجُلُ مِنْكُمْ اَخَاهُ۔

ترجمہ: شعبہ جبلہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ میں اہل عراق کے ساتھ تھے کہ ہم کو بھوک کی تکلیف پہنچی تو ابن زبیرؓ ہم کو کھجوریں کھلایا کرتے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ ہم پر گزرتے تو کہتے کہ آنحضرت ﷺ نے اقران سے منع کیا ہے الا آنکہ اس کا بھائی اجازت دے دے۔

وضاحت:

اقران یعنی ایک ہی بار دو دو کھجوریں کھانا۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ دسترخوان پر آپ اگر بیٹھیں تو باوقار طریقہ پر کھانا پڑے گا۔ کھانے پر اور لوگ بھی بیٹھے ہیں تو سب لوازمات مشترک ہوتے ہیں اور کھانے کے

آداب میں یہ ہے کہ ندیدہ پن نہیں ظاہر ہونا چاہیے، وقار کے ساتھ کھانا چاہیے۔ یہاں عبداللہ بن عمرؓ نے آداب سکھائے ہیں کہ دو دو یا چار چار کھجوریں منہ میں نہ ڈال لو۔ ہاں اگر دوسرے لوگ اجازت دیں تو آپ کھا سکتے ہیں۔ اس پر امام صاحب نے باب باندھ دیا کہ اگر لوگ اجازت دیں تو جائز ہے، یہ کیا بات ہوئی۔ آخر وقار کے ساتھ کھانا بھی ایک مسلمان کے اخلاق کا ایک حصہ ہے۔

١٧۔ حَدَّثَنَا اَبُو النُّعمَانِ حَدَّثَنَا اَبُو عَوَانَةَ عَنِ الاَعْمَشِ عَنْ اَبِی وَائِلٍ عَنْ اَبِی مَسْعُودٍ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الاَنْصَارِ یُقَالُ لَهُ اَبُوْ شُعَیْبٍ کَانَ لَهُ غُلَامٌ لَحَّامٌ فَقَالَ لَهُ اَبُو شُعَیْبٍ اصْنَعْ لِی طَعَامَ خَمْسَةٍ لَعَلِّی اَدْعُوا النَّبِیَّ ﷺ خامِسَ خَمْسَةٍ وَاَبْصَرَ فِی وَجْهِ النَّبِیِّ ﷺ الْجُوْعَ فَدَعَاهُ فَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ لَمْ یُدْعَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ هٰذَا قَدِ اتَّبَعَنَا اَتَاذَنُ لَهُ قَالَ نَعَمْ۔

ترجمہ: ابو مسعودؓ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک شخص، جن کا نام ابوشعیب تھا، کا ایک غلام گوشت کا کام کرتا تھا۔ ابوشعیب نے اس سے کہا کہ پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کرو تا کہ میں نبی ﷺ کو بلاؤں پانچ کے پانچویں کی حیثیت سے۔ میں نے نبی ﷺ کے چہرہ میں کچھ بھوک محسوس کی ہے۔ پھر انہوں نے آپ کو دعوت دی۔ آپ کے ساتھ ایک صاحب اور آگئے جو بلائے نہیں گئے تھے تو نبی ﷺ نے فرمایا یہ صاحب ہمارے ساتھ آگئے ہیں۔ آپ اجازت دیں تو شریک ہو جائیں تو انہوں نے کہا ہاں شریک ہو جائیں۔

وضاحت:

خامس خمسة، پانچ کا پانچواں، یہ عربی کا اسلوب ہے یعنی کل پانچ آدمی۔ لحام یعنی گوشت والا۔ گوشت کاٹنے والا بھی ہو سکتا ہے اور پکانے والا بھی۔ دعوت تو پانچ آدمیوں کی تھی لیکن ایک صاحب بن بلائے ساتھ چلے آئے تو میزبان سے نبی ﷺ نے کھانے میں ان کی شرکت کی اجازت لی۔ یہ ان صاحب کی نالائقی تھی کہ وہ طفیلی بن کر ساتھ چل پڑے۔ چونکہ اصل دعوت نبی ﷺ کو تھی اس لیے آپ نے پوزیشن میزبان کے سامنے واضح کر دی کہ یہ صاحب دعوت کا سن کر ہمارے پیچھے ہو لیے۔ اب جو معاملہ آپ ان کے ساتھ کرنا چاہیں وہ کریں۔ اگر ان کو اجازت دیتے ہیں تو دعوت میں شریک ہو جائیں۔ میزبان نے ان صاحب کو بھی دعوت میں شامل کر لیا۔ اس حدیث سے دعوت کے بعض اسلامی آداب پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً یہ کہ میزبان جن لوگوں کو بلائے انہی کو دعوت میں شامل ہونا چاہیے۔ بن بلائے مہمان بن جانا ایک نامعقول بات ہے۔ دعوت میں کوئی

شخص طفیلی بن کر شمولیت کی کوشش کرے تو دعوت کے اصل مہمان کو اپنی پوزیشن صاف کر دینی چاہیے کہ یہ شخص ان کا آدمی نہیں۔ اسلامی ہمدردی کا تقاضا ہے کہ میزبان اس شخص کو بے عزت نہ کرے بلکہ کھانا کھلا دے۔

١٥۔ باب : قَوْلِ اللهِ تعالىٰ : وَهُوَ اَلَدُّ الخِصَام

باب: اللہ تعالیٰ کے قول الد الخصام کے بارے میں

١٨۔ حَدَّثَنَا اَبُو عاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ عَنِ ابْنِ اَبِی مُلَیْکَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّ اَبْغَضَ الرِّ جَالِ اِلَی اللّٰهِ الاَلَدُّ الخَصِمُ۔

ترجمہ: نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض وہ آدمی ہے جو ضدی اور جھگڑالو ہے۔

وضاحت:

الد کے معنی ہٹ دھرم اور ضدی کے ہیں۔ خصم جھگڑالو کے معنی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سے نوازا ہے۔ عقل کا تقاضا ہے کہ وہ ہر معاملہ کو ٹھنڈے دل سے سوچے۔ اس کے حق میں یا خلاف جو دلائل ہوں ان کا تجزیہ کرے اور اس کے بعد کسی فیصلہ پر پہنچے۔ بعض لوگ اس قدر جذباتی ہوتے ہیں کہ وہ کسی بات پر غور کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے۔ وہ دوسرے کے دلائل پر بھی کان نہیں دھرتے۔ ان کا اصرار اسی بات پر ہوتا ہے جو ان کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ الد الخصم لوگ ہیں۔ نبی ﷺ کو قریش اور یہود میں ایسے بہت سے لوگوں سے واسطہ پڑتا تھا۔ آپ حق کو پیش کر رہے ہوتے اور یہ لوگ جاہلانہ تعصب سے کام لیتے ہوئے ہر بات کی مخالفت پر کمر کس لیتے۔ ایسے ضدی اور جھگڑالو لوگوں کو اللہ کی نظروں میں مبغوض ترین قرار دیا ہے۔

✡✡✡✡✡

تقویٰ، اتقاء، متقی کی جو صفات قرآن مجید نے بیان کی ہیں ایک موزوں ترکیب کے ساتھ وہ ہم نے پیش کر دی ہیں۔ اس پر ایک نظر ڈال کر ہر شخص بآسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ تقویٰ کے جو لوازم آج سمجھ لیے گئے ہیں ان کو اس تقویٰ سے کوئی نسبت نہیں ہے جس کا مطالبہ قرآن مجید نے کیا ہے۔ قرآن مجید جس چیز کو تقویٰ قرار دیتا ہے اس کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حدود کی پابندی کرے۔ (حقیقت تقویٰ)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

درس مؤطا امام مالکؒ

کتاب النکاح

باب: مَاجَاءَ فِی الصَّدَاقِ وَالْحِبَاءِ

۹۔ عَنْ مَالِکٍ عَنْ یَحْیَ بْنِ سَعِیدٍ عَنْ سَعِیدِ بْنِ الْمُسَیِّبِ اَنَّهُ قَالَ قَالَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ اَیُّمَارَجُلٍ تَزَوَّجَ اِمْرَأَةً وَبِهَاجُنُوْنٌ" اَوْ جُذَامٌ" اَوْبَرَصٌ" فَمَسَّهَافَلَهَا صَدَاقُهَا کَامِلًاوَذٰلِکَ لِزَوْجِهَاغُرْمٌ" عَلٰی وَلِیِّهَا قَالَ مَالِکٌ وَاِنَّمَا یَکُوْنُ ذٰلِکَ غُرْمًا عَلٰی وَلِیِّهَا لِزَوْجِهَااِذَاکَانَ وَلِیُّهَاالَّذِی اَنْکَحَهَا هُوَ اَبُوهَا اَوْ اَخُوهَا اَوْمَنْ یُرَی اَنَّهُ یَعْلَمُ ذٰلِکَ مِنْهَا فَاَمَّا اِذَا کَانَ وَلِیُّهَا الَّذِی اَنْکَحَهَا ابْنَ عَمٍّ اَوْ مَوْلًی اَوْ مِنَ الْعَشِیْرَةِ مِمَّنْ یُرَی اَنَّهُ لَا یَعْلَمُ ذٰلِکَ مِنْهَا فَلَیْسَ عَلَیْهِ غُرْمٌ وَتَرُدُّ تِلْکَ الْمَرْأَةُ مَا اَخَذَتْهُ مِنْ صَدَاقِهَا وَیَتْرُکُ لَهَا قَدْرَ مَاتُسْتَحَلُّ بِهِ

ترجمہ: یحییٰ بن سعید سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ عمرؓ بن الخطاب نے یہ فتویٰ دیا کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اس عورت کو جنون ہو یا جذام ہو یا برص ہو اور وہ اس عورت سے ملاقات کر بیٹھے تو اس کو پورا مہر دینا ہوگا اور اس کے شوہر کے لیے تاوان ہے اس کے اولیاء پر۔ مالک کہتے ہیں کہ یہ تاوان اس عورت کے اولیاء پر اس کے شوہر کے لیے اس شکل میں ہوگا کہ جب اس کا ولی جس نے اس کا نکاح کیا وہ اس کا باپ ہو یا بھائی ہو یا وہ ہو کہ جس کی نسبت یہ جانا جاتا ہو کہ وہ اس بات سے واقف ہے لیکن اگر اس کا ولی کہ جس نے اس کا نکاح کرایا ہے اس کا چچازاد بھائی ہے یا آزاد کردہ مولیٰ ہے یا قبیلہ کا ایک آدمی ہے جس کی نسبت گمان ہوتا ہے کہ وہ اس سے واقف نہیں ہو سکتے تو ان کے اوپر تاوان عائد نہیں ہوگا اور اس عورت نے اپنے شوہر سے اپنے مہر کا جتنا حصہ لیا ہوگا وہ لوٹا دے گی اور شوہر نے چونکہ اس سے ملاقات کر لی ہے اس لیے اتنا چھوڑ دے جس سے اس کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

وضاحت:

روایت ہیں حضرت عمرؓ سے متعلق جو فتویٰ بیان ہوا ہے تو یہ کوئی حدیث نہیں ہے۔ اثر بھی اس کو نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ حضرت عمرؓ کا کسی case میں فیصلہ ہوگا۔ اس کو سعید بن المسیب نے فتوے کی شکل میں بیان کیا ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کا فتویٰ ہے تو یہ روایت کے مقابل میں زیادہ اہمیت رکھتا ہے اس اعتبار سے کہ حضرت عمرؓ کے جو فتاویٰ ہیں یا ان کے جو احکام ہیں یا ان کے جو فیصلے ہیں وہ دین کا ایک مستقل حصہ ہیں۔ تو انہوں نے حکم دیا کہ اگر بعد میں پتہ چلا کہ عورت کو جذام ہے یا برص ہے تو مہر تو وہ اس کو دے گا لیکن اس کا تاوان وہ اس عورت کے اولیاء سے وصول کرے گا۔

اس میں جو چیز ملحوظ رکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اگر تاوان وہ وصول کر پائے یا وصول نہ کر پائے یا رکاوٹ ہو جائے تاہم مہر اس کو دینا ہوگا۔ البتہ مرد کو قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق ہے کہ وہ اس عورت کے اولیاء سے وصول کرے۔ یہ ٹھیک ہے۔ امام مالک نے حضرت عمرؓ کے اس فتویٰ پر اپنا جو اضافہ کیا ہے وہ میرے سمجھ میں کچھ آتا ہے کچھ نہیں آتا پورا سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طریقہ کی جو چیز ہوتی ہے برص وجذام وغیرہ تو بہرحال خاندان کے لوگوں میں جانی پہچانی ہوتی ہے۔ کوئی راز نہیں ہوتا۔ لیکن فرض کر لیجیے کہ لڑکی کا معاملہ ہے کوئی راز بھی ہو تو جو لوگ کہ ولی مقرر ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان تمام چیزوں کو سمجھ بوجھ کر ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے کہ یہ اولیاء ہوں گے تو ان کے فرائض میں سے ہوتا ہے کہ جس کا وہ نکاح کریں اس کے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور ادا کریں۔

شوہر بے چارے کے سر پر کیوں تاوان پڑے۔ یہ اولیاء کی ذمہ داری تھی کہ جس کو وہ نکاح میں دے رہے ہیں اس کے متعلق وہ جانیں، سب باتیں پہچانیں، جس کے وکیل اور گواہ بنے ہیں ان کی ذمہ داری ہے۔

حضرت عمرؓ کا فتویٰ مطلق ہے اور امام مالک کے اس قول سے مقید ہو جاتا ہے۔ امام مالک کی بات بھی ایسی نہیں ہے اسے آسانی کے ساتھ نظر انداز کیا جائے۔ اپنی جگہ ایک وزن رکھتی ہے۔ باقی یہ بات کہ عورت اس مہر میں سے اتنا لے لے جتنا کہ اس ملاقات کا عوض ہے تو یہ مولویانہ بات ہے۔ مہر حقیقت میں عورت کے

کسی خاص حصۂ جسم سے متمتع ہونے کا عوض نہیں ہے۔ معلوم نہیں مولوی حضرات نے کہاں سے یہ نکالا ہے۔ مہر تو معاہدے کو سنجیدہ اور مستحکم کرنے کے لیے ہے۔ اس لیے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی مال وغیرہ کا جھگڑا نہیں محض زبانی جمع خرچ ہے تو ہر آدمی کر لیتا ہے لیکن اگر اس کے ساتھ کچھ مال کی قید ہے تب یہ ہے کہ ہر ایک سنجیدگی کے ساتھ غور کرتا ہے۔ مہر کے متعلق یہ تصور بہت پست ہے کہ وہ معاوضہ ہے اس تمتع کا جو ایک مرد ایک عورت سے کرتا ہے۔ یہ میں نہیں مانتا، بالکل نہیں مانتا۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ مہر درحقیقت معاہدہ کے استحکام کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے۔ اگر آپ حضرات میری رائے سے اتفاق کرتے ہیں تو مالکیہ کا اتنا جو آخری ٹکڑا ہے یہ بالکل غلط ہے اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہ بات کہ ان کے اوپر تاوان نہیں پڑنا پائے تو وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ گویا اس تاوان میں کچھ تخفیف ہو سکتی ہے۔ وہ ولی بنائے گئے ہیں تو انہیں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا چاہیے۔

مہر کے متعلق میرا جو نظریہ ہے اس نظریے کے لحاظ سے یہ بات بھی ہے کہ تین درہم، چار درہم کا سوال نہیں ہے مہر حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے۔ شریعت کا قاعدہ بھی ہے کہ اگر کسی لڑکی کا مہر طے نہیں تو مہر مثل ہو گا۔ فقہا کا قانون بہت اچھا ہے۔ مہر مثل کے معنی یہ ہیں کہ خاندان کا جو status اور جو مرتبہ ہے اس کے مطابق ہوتا ہے۔ مہر خاندان کا معیار، وقت کے معاشی حالات، خواتین کے رجحانات شریفہ اور ان کا پروپگنڈا سب کو مدنظر رکھ کے طے کرنا ہوگا ورنہ اس کے بغیر جھگڑا بہت بڑھ جائے گا۔ مہر کے متعلق اپنی رائے میں اپنی تفسیر میں دے چکا ہوں۔

۱۰۔ وَحدّثنی عَنْ مَالِکٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَةَ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ وَأُ مُّھَا بِنْتُ زَیْدِبْنِ اَلْخطَّابِ کَانَت تَحْتَ اُبْنٍ لِعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ فَماتَ وَلَمْ یَدْ خُلْ بِھَا وَلَمْ یُسَمّ لَھَا صَدَاقًافَابْتَغَتْ أُمُّھَا صَدَاقَھَا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ لَیْسَ لَھاصَدَاق" وَلَوْ کَانَ لَھا صَدَاق" لَمْ نُمْسِکْہُ وَلَمْ نَظْلِمْھاَ فَأَ بَتْ أُمُّھَا أَنْ تَقْبَلَ ذٰلِک فَجَعَلُوا بَیْنَھُمْ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَقَضٰی أَنْ لَا صَدَاقَ لَھا وَلَھَا الْمِیراثُ

ترجمہ: امام مالک نافع سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر کی بیٹی جن کی ماں زید بن خطاب کی بیٹی ہیں یہ عبداللہ بن عمرؓ کے ایک بیٹے کے نکاح میں تھیں تو عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے کا انتقال ہو

گیا اور انہوں نے اپنی بیوی سے ملاقات نہیں کی تھیں اور مہر کا تصفیہ بھی نہیں کیا تھا۔ تو لڑکی کی ماں نے مہر کا مطالبہ کیا تو عبداللہ بن عمر نے کہا کہ ان کو مہر کا حق نہیں ہے۔ اگر مہر کا حق ہوتا تو ہم اس کو نہ روک سکتے اور نہ ان پر ظلم کر سکتے ہیں۔ لڑکی کی ماں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو زید بن ثابت کو حکم بنا لیا۔ انہوں نے کہا کہ لڑکی کو مہر کا حق نہیں البتہ میراث ملے گی۔

وضاحت:

یہ بھی کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے بلکہ صحابہ کا اور فقہائے مدینہ کا عمل ہے۔ موطا کی یہ خصوصیت یاد رکھیے کہ اس میں جتنی روایتیں مرفوع آتی ہیں اس سے زیادہ ان فقہاء کا عمل اور ان کے آثار ہیں۔ حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور ان لوگوں کے عمل اور آثار ہیں۔

لڑکی کے لیے مہر اس لیے نہیں کہ مہر معین بھی نہیں ہے اور شوہر نے ملاقات بھی نہیں کی ہے تو اس شکل میں مہر نہیں ہوگا البتہ لڑکی کو شوہر کی میراث ملے گی۔ میرے نزدیک یہ فتویٰ اتنے بڑے اکابر کا ہے کہ مرفوع حدیث کے سوا کوئی چیز اس سے بڑی نہیں ہو سکتی اس لیے اس کے خلاف فقہاء کی جو رائیں ہیں میرے نزدیک ان کا کوئی وزن نہیں رہتا۔

۱۱۔ وَحدّثنی عَنْ مَالِکٍ أَنَّہُ بَلَغَہُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ اَلْعَزِیزِ کَتَبَ فِی خِلَافَتِہِ إِلَی بَعْض عُمَّالِہِ أَنَّ کُلَّ مَا اَشْتَرَطَ الْمُنْکِحُ مَنْ کَانَ أَبًا أَوْ غَیْرَہُ مِنْ حِبَاءٍ أَوْکَرَامَۃٍ فَھُوَ لِلْمَرْأَۃِ إِنِ ابْتَغَتْہُ قَالَ فِی الْمَرْأَۃِ یُنْکِحُھَا أَبُوھَا وَ یَشْتَرِطُ فِی صَدَاقِھَا الْحِبَاءَ یُحْبیٰ بِہٖ إِنَّ مَاکَانَ مِنْ شَرْطٍ یَقَعُ بِہِ النِّکاحُ فَھُوَ لِابْنَتِہِ إِنِ ابْتَغَتْہُ وَ إِنْ فَارَقَھَا زَوْجُھَا قَبْلَ أَنْ یَدْخُلَ بِھَا فَلِزَوْجِھَا شَطْرُ الْحِبَاءِ الَّذِی وَقَعَ بِہِ النِّکاحُ. قَالَ مَالِک" فِی الرَّجُلِ یُزَوِّجُ ابْنَہُ صَغِیرًا لَا مَالَ لَہُ إِنَّ الصَّدَاقَ عَلَی أَبِیہِ إِذَا کَانَ الْغُلَامُ یَوْمَ تَزَوَّجَ لَا مَالَ لَہُ وَ إِنْ کَانَ لِلْغُلَامِ مَالٌ فَالصَّدَاقُ فِی مَالِ الْغُلَامِ إِلَّا أَنْ یُسَمَّی الْأَبُ أَنَّ الصَّدَاقَ عَلَیْہِ وَ ذٰلِکَ النِّکاحُ ثَابتٌ عَلَی الْابْنِ إِذَا کَانَ صَغِیرًا وَ کَانَ

فِی وِلَایَةِ أَبِیهِ. قَالَ مَالِکٌ فِی طَلَاقِ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ قَبْلَ أَنْ یَدْخُلَ بِهَا وَهِیَ بِکْرٌ فَیَعْفُو أَبُوهَا عَنْ نِصْفِ الصَّدَاقِ إِنَّ ذٰلِکَ جَائِزٌ لِزَوْجِهَا مِنْ أَبِیهَا فِیمَا وَضَعَ عَنْهُ قَالَ مَالِکٌ وَذٰلِکَ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَکَ وَ تَعَالَی قَالَ فِی کِتَابِهِ إِلَّا أَنْ یَعْفُونَ فَهُنَّ النِّسَاءُ اللَّاتِی قَدْ دُخِلَ بِهِنَّ أَوْیَعْفُوَ الَّذِی بِیَدِهِ عُقْدَةُ النِّکَاحِ فَهُوَ الْأَبُ فِی ابْنَتِهِ الْبِکْرِ وَالسَّیِّدُ فِی أَمَتِهِ قَالَ مَالِکٌ وَ هٰذَا الَّذِی سَمِعْتُ فِی ذٰلِکَ وَالَّذِی عَلَیْهِ الْأَمْرُ عِنْدَنَا. قَالَ مَالِکٌ فِی الْیَهُودِیَّةِ أَوِ النَّصْرَانِیَّةِ تَحْتَ الْیَهُودِیِّ أَوِ النَّصْرَانِیِّ فَتُسْلِمُ قَبْلَ أَنْ یَدْخُلَ بِهَا إِنَّهُ لَا صَدَاقَ لَهَا. قَالَ مَالِکٌ لَا أَرَی أَنْ تُنْکَحَ الْمَرْأَةُ بِأَقَلَّ مِنْ رُبْعِ دِینَارٍ وَ ذٰلِکَ أَدْنَی مَا یَجِبُ فِیهِ الْقَطْعُ.

ترجمہ: امام مالک و یہ بات پہنچی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دور خلافت میں بعض عمال کو لکھا کہ کسی لڑکی کو نکاح میں دینے والا ولی، خواہ وہ باپ ہو یا کوئی اور دوسرا ہو اگر شرط کرے کسی عطیہ کی یا کسی تشریفی کی اپنے لیے تو وہ عورت کے لیے ہوگی اگر وہ چاہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ وہ عورت کہ جس کو اس کا باپ نکاح میں دے اور مہر میں کسی ایسے عطیہ کی شرط کرے جو اس کو دیا جائے تو اگر شرط ایسی ہو کہ نکاح کے واقع ہونے کی شرط بن جائے تب تو وہ لڑکی کے لیے ہوگا اگر وہ چاہے گی اور اگر اس کا شوہر چھوڑ جائے قبل اس کے کہ اس سے ملاقات کرے تو اس کے شوہر کے لیے اس عطیہ کا آدھا ہوگا جو نکاح کی شرط بنا ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ جو شخص کہ اپنے بیٹے کا بچپن میں ہی نکاح کر دے اور وہ وارث و مالک نہیں ہے (یعنی لڑکا) تو مہر اس کے باپ کے ذمہ ہوگا اگر لڑکے کے پاس اس وقت کچھ مال نہیں تھا کہ جس وقت اس نے نکاح کیا اور اگر بعد میں لڑکے کے پاس مال ہوا تو مہر لڑکے کے مال میں سے دیا جائے گا الا آنکہ باپ کہہ دے کہ مہر اس کے ذمہ ہے تو نکاح ثابت ہوگا اگرچہ بیٹا چھوٹا ہے اور باپ کی ولایت میں ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ جو شخص کہ اپنی بیوی کو طلاق دے ملاقات سے پہلے اور وہ کنواری ہے تو اس کا باپ اگر نصف مہر معاف کر دے گا تو یہ جائز ہو جائے گا اس کے شوہر کے لیے اس کے باپ کی طرف سے یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا مگر یہ کہ وہ عورتیں معاف کر دیں۔ جس سے مراد وہ عورتیں ہیں جن سے ملاقات کی ہوگی یا وہ

معاف کر دے جس کے ہاتھ میں سررشتۂ نکاح ہے تو وہ باپ ہے کنواری لڑکی کا یا آقا ہے لونڈی کا۔ امام مالک کہتے ہیں کہ اگر کوئی یہودیہ یا نصرانیہ جو کسی یہودی یا نصرانی کے نکاح میں ہو پھر وہ اسلام لے آئے ملاقات سے پہلے تو اس کے لیے مہر نہیں ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ میری رائے یہ ہے کہ کوئی عورت ربع دینار سے کم میں نکاح نہیں کر سکتی اور یہ کم سے کم مقدار ہے جس میں قطع ید ہو سکتا ہے۔

وضاحت:

یہ روایت کئی فتووں کا مجموعہ ہے۔ اس میں سب سے اہم عمر ابن عبدالعزیز کی اپنے عمال کو ہدایت ہے۔ اولیاء نکاح کرتے تھے اور اپنے لیے کچھ لگا لیتے تھے کہ لڑکی کے مہر کے علاوہ ہمیں یہ دیا جائے۔ اگر باپ ہو تو اس کی بات اور ہے لیکن اگر دور کے اولیاء ہوں تو نہ جانے کیا کیا اپنے لیے محفوظ کرا لیتے ہوں گے، آپ یہ دیں گے تب اس پر نکاح ہوگا وغیرہ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے لکھا کہ اگر لڑکی چاہے گی تو ملے گا ورنہ نہیں ملے گا اور یہ بات ٹھیک ہے۔

رہ گیا بچپن کا نکاح تو یہ جھگڑا اب ہمارے ہاں ختم ہو گیا۔ اب بالغ عمر تک پہنچنے سے پہلے لڑکے لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ الگ مسئلہ ہے کہ عمر کی قید جو عاید کی گئی ہے اس کی حیثیت کیا ہے۔

امام مالک نے بیدہ عقدۃ النکاح سے مراد لڑکی کے باپ کو لیا ہے لیکن میرے نزدیک اس سے مراد خود شوہر ہے۔ معاف کرنے کے لیے شوہر کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ مرد کو مرد ہوتے ہوئے لینے والا نہیں بلکہ دینے والا ہونا چاہیے۔ مالکیہ کا استدلال صحیح نہیں ہے۔

آخر میں امام مالک کہتے ہیں کہ عورت کا نکاح ربع دینار سے کم نہیں ہونا چاہیے اور دلیل یہ دے رہے ہیں کہ یہ کم سے کم تعداد ہے جس میں قطع ید ہو سکتا ہے میرے نزدیک ربع دینار ٹھیک نہیں۔ یہ مہر کا معیار نہیں ہو سکتا۔ مہر کے معاملہ میں عورت کو اختیار ہے اس کی صوابدید پر ہے۔ اگر مہر طے نہیں ہے تو مہر مثل چلے گا یہ طے ہے۔

۱۲۔ حدثنی: یَحْیَی عَنْ مَالِکٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیدٍ عَنْ سَعِیدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ قَضَی فِی الْمَرْأَةِ إِذَا تَزَوَّجَهَا الرَّجُلُ أَنَّهُ إِذَا أُرْخِیَتِ السُّتُورُ فَقَدْ وَجَبَ الصَّدَاقُ وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِکٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ کَانَ یَقُولُ إِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بِامْرَأَتِهِ فَأُرْخِیَتْ عَلَیْهِمَا

السُّتُوْرُ فَقَدْ وَجَبَ الصَّدَاقُ وحدثني: عَنْ مَالِكٍ اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ كَانَ يَقُولُ اِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بِا لمَرْ أَةِ فِى بَيْتِهَا صُدِّقَ الرَّجُلُ عَلَيْهَا وَاِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ فِى بَيْتِهِ صُدِّقَتْ عَلَيْهِ ۔ قَالَ مَالِكٌ اُرَى ذٰلِكَ فِى الْمَسِيْسِ اِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا فِى بَيْتِهَا فَقَالَتْ قَدْ مَسَّنِى وَقَالَ لَمْ اَمَسَّهَا صُدِّقَ عَلَيْهَا فَاِنْ دَخَلَتْ عَلَيْهِ فِى بَيْتِهِ فَقَالَ لَمْ اَمَسَّهَا وَقَالَتْ قَدْ مَسَّنِى صُدِّقَتْ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: سعید بن مسیب راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس عورت کے بارے میں فیصلہ کیا جب مرد اس سے نکاح کرے اور جب پردے گرا دیے جائیں تو مہر واجب ہو جائے گا اور ابن شہاب سے روایت ہے کہ زید بن ثابت کہا کرتے تھے کہ جب مرد اپنی بیوی سے ملاقات کرے اور ان پر پردے گرادئے جائیں تو مہر واجب ہو جائے گا۔ اور امام مالک کو یہ بات پہنچی ہے کہ سعید بن مسیب کہتے ہیں جب آدمی عورت سے ملاقات کرے خود اس کے گھر میں تب تصدیق کی جائے گی مرد کی اس عورت کے مقابل میں اور اگر عورت لے جائی جائے خود شوہر کے گھر میں تب عورت کی تصدیق کی جائے گی مرد کے مقابل میں۔ امام مالک کہتے ہیں کہ شوہر ملاقات کرے اپنے سسرال میں اور عورت یہ دعوی کرے کہ اس نے مجھ سے ملاقات کی ہے اور شوہر کہے کہ میں نے نہیں کی تب مرد کی تصدیق کی جائے گی اور اگر عورت اپنے شوہر کے گھر ملاقات کرے اور شوہر کہے کہ میں نے اس سے ملاقات نہیں کی اور عورت مدعی ہو کہ ملاقات ہوئی ہے تو مرد کے مقابل میں عورت کی تصدیق کی جائے گی۔

وضاحت:

اس روایت میں حضرت عمرؓ کا فیصلہ ہے اور اس کے ساتھ امام مالک نے اپنے بلاغات بھی دیے ہیں حضرت عمرؓ کا فیصلہ یہ ہے کہ تنہائی کی ملاقات میاں بیوی کے درمیان ہوئی تب مہر واجب ہوگا۔ اس میں اور کوئی قید نہیں ہے۔ یہ حضرت عمرؓ کا فیصلہ ہے، کوئی موضوع حدیث نہیں ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ بعد کے دور میں قضیہ پیدا ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نہیں پیدا ہوا۔ اس کے بعد زید بن ثابت کا فتویٰ یہ ہے کہ جب مرد اپنی عورت کے ساتھ تنہا ہو اور ان کو تنہائی مہیا کر دی گئی، پردے گرا دیے گئے تو مہر واجب ہو جائے گا۔ یہ بھی حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر مبنی ہے۔ خلفائے راشدین کے فیصلوں کی اہمیت دین کے

قطعی احکام کی ہے۔ اس کو آپ ایک اثر کے درجہ میں نہیں لا سکتے۔ خلیفہ راشد کا فیصلہ ہے اور ظاہر ہے اگر ضرورت پڑی ہو تو مشورہ کیا گیا ہوگا اس وجہ سے حضرت عمرؓ کا فیصلہ فتویٰ بھی نہیں، اثر بھی نہیں ہے بلکہ ان کا فیصلہ ہے۔

امام مالک کہتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے۔ کس ذریعہ سے پہنچی ہے یہ انہوں نے نہیں بتایا مگر امام مالک کے بلاغات پر محدثین کو اعتراض نہیں ہے اور مجھے بھی نہیں ہے اس لیے کہ امام مالک کوئی بات یوں ہی نہیں کہہ سکتے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ جب آدمی عورت سے ملاقات کرے خود اس کے گھر میں تب تصدیق کی جائے گی مرد کی عورت کے مقابل میں اور جب عورت لے جائی جائے شوہر کے گھر میں تب عورت کی تصدیق کی جائے گی مرد کے مقابل میں یعنی اگر فرض کر لیجیے کہ شوہر اپنے سسرال میں ملاقات کرے تو یہ ملاقات بہرحال مشتبہ ہے۔ اگر مہر کا جھگڑا ہو تو بہرحال اس معاملہ میں مرد کی تصدیق کی جائے گی اگر مرد کہے کہ اس طرح کی کوئی ملاقات نہیں ہوئی تو مرد کی تصدیق کی جائے گی اور اگر شوہر نے اپنے گھر میں ملاقات کی ہے تو عورت کی تصدیق کی جائے گی یعنی عورت کی بات مانی جائے گی یہ ایک نازک سا نفسیاتی نکتہ ہے، میں اس کو نہیں مانتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رواج رواج ہوتا ہے۔ ہمارے علاقہ میں جہاں ہندوؤں کی تہذیب کے اثرات رہے صدفی صد ملاقاتیں سسرال میں ہوتی ہیں۔ کہیں ایسا ہوتا ہے کہ سسرال میں اس طرح کی بے تکلفانہ ملاقات نہ ہوئی ہو تو ایسا ہو سکتا ہے۔ اس وجہ سے جو نفسیاتی فرق انہوں نے کیا ہے یہ کوئی مستند چیز نہیں ہے۔ اصل بات تو یہی ہے کہ جو حضرت عمرؓ کا فتویٰ ہے اذا رخیت السعور فقد وجب الصداق سسرال ہو یا میکہ ہو جہاں بھی میاں بیوی کو تنہائی حاصل ہوگی غالب امکان یہی ہے کہ یہ مانا جائے کہ ملاقات ہو گئی اور نہ بھی ہو تو یہی ماننا چاہیے، اس قسم کے نکتے نہیں پیدا کرنا چاہیے۔ حضرت عمر کا فیصلہ اس معاملہ میں بہرحال مبہم ہے۔ اس سے میرے خیال کی تائید ہوتی ہے کہ یہاں یا وہاں یہ معلوم ہے کہ ان کو تنہائی حاصل ہو گئی ہے تب یہ ہے کہ مہر پورا واجب ہوا۔ حنفیہ کا یہی مسلک ہے کہ جب تنہائی حاصل ہو جائے۔

آخر میں امام مالک نے اس کی شرح کر دی ہے کہ یہ قضیہ ملاقات کے بارے میں ہے ملاقات سے مطلب عورت اور مرد کی جو ملاقات ہوتی ہے وہ ہے۔

باب :اَلْمُقَامُ عِنْدَ الْبِكْرِ وَالْاَ يِّمِ

باب: شادی کے بعد کنواری اور شوہر آشنا کے پاس ٹھہرنے کے بارے میں

۱۳۔حدّثنی : یَحْیی عَنْ مَالِکٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بنِ أبِی بَکْرٍ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِکِ بْنِ أبِی بَکْرِبْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ الْمَخْزُومِیِّ عَنْ أبِیهِ أنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ حِینَ تَزَوَّجَ أُمَّ سَلَمَةَ وَأَصْبَحَتْ عِنْدَهُ قَالَ لَهَا لَیْسَ بِکِ عَلَی أهْلِکِ هَوَانٌ إنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ عِنْدَکِ وَسَبَّعْتُ عِنْدَهُنَّ وَإنْ شِئْتِ ثَلَّثْتُ عِنْدَکِ وَدُرْتُ فَقَالَتْ ثَلِّثْ وحدّثنی: عَنْ مَالِکٍ عَنْ حُمَیْدٍ الطَّوِیلِ عَنْ أنَسِ بْنِ مَالِکٍ أنَّهُ کَانَ یَقُولُ لِلْبِکْرِ سَبْعٌ وَلِلثَّیِّبِ ثَلاثٌ قَالَ مَالِکٌ وَذٰلِکَ الأمْرُ عِنْدَ نَاقَالَ مَالِکٌ فَإنْ کَانَتْ لَهُ امْرَأةٌ غَیْرُالَّتِی تَزَوَّجَ فَإنَّهُ یَقْسِمُ بَیْنَهُمَا بَعْدَ أنْ تَمْضِیَ أیَّامُ الَّتِی تَزَوَّجَ بِالسَّوَاءِ وَلَا یَحْسِبُ عَلَی الَّتِی تَزَوَّجَ مَا أقَامَ عِنْدَهَا۔

ترجمہ: عبدالملک المخزومی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہ سے نکاح کیا اور ان کے پاس آپ نے صبح کی تو ان سے آپ نے کہا تمہارے باعث تمہارے لوگوں کی تحقیر نہ ہو، اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات دن ٹھہروں اور سات دن اپنی دوسری ازواج کے ساتھ اور اگر چاہو تو تین دن تمہارے پاس ٹھہروں اور باقی دن اپنی دوسری ازواج کے پاس تو حضرت ام سلمہ نے یہ فرمایا کہ تین دن۔ اور امام مالک حمید الطویل سے روایت کرتے ہیں اور وہ انس بن مالک سے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ کنواری کے لیے سات دن اور ایم (شوہر آشنا) کے لیے تین دن۔ امام مالک کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں یہی رواج ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ اگر اس کی کوئی اور بیوی بھی ہو اس بیوی کے سوا جس سے اس نے نکاح کیا ہے تو جس بیوی کے ساتھ اس نے نکاح کیا ہے اس کے پاس یہ دن (سات دن یا تین دن) گزارنے کے بعد وہ دونوں بیویوں کے درمیان دنوں کو برابر تقسیم کرے گا۔ جس سے اس نے نکاح کیا ہے اس کے دنوں میں سے نہیں کاٹے گا۔

وضاحت:

بکر کے معنی ہیں کنواری اور ایم بکر کے مقابل میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شوہر آشنا رہی ہے۔ ایامی

جمع ہو آتا ہے تو رنڈوے مرد اور بن شوہر کی عورت دونوں کے لیے آتا ہے۔

سات دن یا تین دن گویا ہنی مون کے دن ہوئے، بکر کے لیے سات دن اور شوہر آشنا کے لیے تین دن۔ یہ جھگڑا اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ گویا عدل کی شرط ہے۔ پچھلی روایت میں جو قضیہ تھا وہ مہر کا معاملہ تھا۔ مالی اقتضاء تھا۔ اس میں عدل کی شرط ہے لیکن اس میں تمام تر تعلق عرب کے رواج سے ہے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کیا تو وہ ایم تھیں۔ تو آپ نے ان سے پوچھا کہ اگر تم یہ محسوس کرتی ہو کہ تمہارے اہل یہ محسوس کریں گے کہ ان کی لڑکی کی میں نے وہ قدر نہیں کی جو اس کی حیثیت عرفی کے مطابق ہو تو یہ بات نہیں ہے۔ رواج جس چیز کا بھی ہو بہر حال حیثیت عرفی پر اثر تو پڑے گا۔ قاعدے کی رو سے تین دن بنتے تھے لیکن خاندان کا خیال کر کے آپ ﷺ نے فرمایا کہ چاہو تو سات دن ٹھہروں۔ آپ نے یہ درجہ جو دیا تو رواج کے اوپر ہے۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا تین دن یعنی جو حق بنتا ہے اتنا ہی۔ اس مسئلہ کا تعلق تمام تر ملک کے رواج پر ہے، یہ شریعت کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ شریعت کا حصہ اس میں صرف عدل ہے۔ قرآن میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ دل کا عدل، دل کا میلان تو اگر یہ چاہو بھی تو ممکن نہیں کہ برابر برابر ہو لیکن حقوق ظاہری میں بہر حال عدل ہونا چاہیے۔

اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ آدمی اس معاملہ میں پورا انصاف کرے یعنی روٹی کپڑے، رہنے سہنے اور دوسرے حقوق میں ہر بیوی کے ساتھ سلوک برابر رکھے۔ دل کے میلان کے بارے میں کہہ دیا کہ اگر تم چاہو تب بھی نہیں کر سکتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک سے زیادہ نکاح نہ تو مستحب ہے نہ ثواب کا کام ہے اور میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سنت بھی نہیں ہے بلکہ ضرورت کے تحت یہ جائز ہے۔ میرا مسلک یہ ہے۔ میں نے اپنی تفسیر تدبر قرآن میں نبی ﷺ کے نکاحوں پر جو بحث کی ہے اس میں اسی نقطہ نظر کو لیا ہے کہ بہر حال آپ ﷺ نے جو کچھ کیا ہے ضرورت کے تحت کیا ہے۔ یہ مسئلہ مفصل پڑھنے کا ہے اس لیے میں اس کو یہاں بیان نہیں کرتا اس کو آپ تفسیر میں پڑھیے۔ پھر یہ ہے کہ نکاح ثانی یا ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت جو دی ہے تو میری قطعی رائے یہ ہے، اور قرآن مجید سے ثابت ہے کہ یہ کسی دینی مصلحت کے لیے ہو بشرطیکہ مہر دو اور بشرطیکہ بیویوں کے درمیان عدل کرو۔ فرض کیجیے کہ ایک شخص کے اولاد نہیں ہوتی اور بیوی کو طلاق بھی دینا نہیں چاہتا اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس عورت کو بھی تمنا ہوتی ہے کہ میرے شوہر کا گھر آباد ہو تو اس طریقہ کی شکلیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان شکلوں میں دوسرا نکاح کر لینا بہر حال بہتر ہی ہوتا ہے۔ لیکن بے ضرورت جو شخص اپنے گلے میں یہ پھنڈا ڈالے گا مجھے امید نہیں کہ کامیاب ہو گا۔ یہ ثواب کا کام نہیں ہے۔ کوئی شرعی، مذہبی یا خاندانی ضرورت ہو تو الگ بات ہے۔ اس طریقے کی بہت سی شکلیں ہو سکتی ہیں کہ جن میں ایک سے زیادہ نکاح مستحب ہو سکتا ہے تو

اس کے اوپر چار تک کی قید لگا دی ہے۔

نبی ﷺ کی جو ضرورتیں تھیں وہ خاص تھیں۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات نبی ﷺ کے مشن میں شریک تھیں۔ واذکرن مایتلیٰ فی بیوتکن من ایات اللّٰہ والحکمۃ اس کی تبلیغ کرنا ان کا کام ہے۔ پھر حضرت صفیہؓ اور جویریہؓ کے بارے میں یہ ہے کہ آپ لونڈی بنا کر رکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ شرافت کے خلاف تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سرداروں کی بیٹیاں تھیں تو نبی ﷺ کو دینی مصلحتوں کی بناء پر خاص اجازت دے دی گئی اور پھر واقعہ یہ کہ وہ اس پل صراط کو عبور کرنے والے تھے، ہما شما کا یہ حوصلہ نہیں ہے۔ آپ نے جس شان کے ساتھ عدل کے تقاضوں کو پورا کیا ہے اس کی شہادت ازواج مطہراتؓ نے بھی دی اور آپ ﷺ کے آثار زندگی سے ہر شخص واقف بھی ہے۔ تو یہ معاملہ ایک سے زیادہ کا، رواج کے اوپر بھی نہیں رہا ہے۔

پھر امام مالک حضرت انس بن مالک کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ بکر کے لیے سات دن اور ثیب کے لیے تین دن ہوں گے۔ اس میں بھی نبی ﷺ سے کوئی مرفوع روایت نہیں ہے بلکہ عرف پر مبنی ہے ہر قوم کا اپنا عرف ہوتا ہے۔

آخر میں امام مالک کہتے ہیں کہ اس شخص کی کوئی اور بیوی بھی اس بیوی کے سوا ہو جس سے اس نے نکاح کیا ہے تو ان خاص دنوں کے گذرنے کے بعد اس بیوی اور دوسری بیویوں کے درمیان دنوں کو برابر برابر تقسیم کرے گا اور جس سے نکاح کیا ہے اس کے خاص دنوں کو کاٹے گا نہیں۔ جتنے دن اس کے پاس قیام کیا ہے وہ منہا نہیں کرے گا۔ امام مالک اس بات کی شرح کر رہے ہیں جو اوپر گذری ہے۔

باب :مَالَا يَجُوزُ مِنَ الشَّرْطِ فِي النِّكَاحِ

باب: جو شرطیں نکاح میں جائز نہیں وہ کیا ہیں

۱۴۔حدّثنی يَحْيىٰ عَنْ مَالِكٍ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ سُئِلَ عَنِ الْمَرْاَةِ تَشْتَرِطُ عَلٰى زَوْجِهَا اَنَّهٗ لَا يَخْرُجُ بِهَا مِنْ بَلَدِهَا فَقَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ يَخْرُجُ بِهَا اِنْ شَاءَ ۔ قَالَ مَالِكٌ فَالْاَمْرُ عِنْدَنَا اَنَّهٗ اِذَا اشْتَرَطَ الرَّجُلُ لِلْمَرْاَةِ وَاِنْ كَانَ ذٰلِكَ الشَّرْطُ عِنْدَ عُقْدَةِ النِّكَاحِ اَنْ لَا اَنْكِحَ

عَلَيْكِ وَلَا اَتَسَرَّرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَيْسَ بِشَيْءٍ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ فِي ذٰلِكَ يَمِيْنٌ بِطَلَاقٍ اَوْ عِتَاقَةٍ فَيَجِبُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ وَيَلْزَمُهٗ۔

ترجمہ: امام مالک کہتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ سعید بن المسیب سے فتویٰ پوچھا گیا کہ ایک عورت اپنے شوہر پر یہ شرط کرے کہ وہ اس کو اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا تو انہوں نے کہا وہ اگر چاہے تو لے جا سکتا ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مسئلہ کی شکل یہ ہے کہ اگر مرد عورت کے لیے یہ شرط کرے اور یہ شرط عقدہ نکاح کے وقت ہو کہ میں تمہارے ہوتے ہوئے نکاح نہیں کروں گا یا کوئی لونڈی نہیں رکھوں گا تو یہ شرط کوئی حیثیت نہیں رکھتی الا آنکہ اس شرط کے ساتھ طلاق کی قسم یا آزاد کر دینے کی قسم لگی ہو تب وہ اس پر واجب ہوگی اور اس کا پورا کرنا لازم ہوگا۔

وضاحت:

امام مالک کے نزدیک مرد اگر قسم کھائے کہ اگر میں ایسا کروں تو تمہیں طلاق ہو جائے گی یا لونڈی آزاد ہو جائے گی تب شرط ہوگی ورنہ نہیں۔ فرض کر لیجیے کہ اس زمانے میں کوئی عورت کہے کہ میں تو مرد کو کنٹرول کروں گی تو یہ شرط نہیں ہوگی۔ امام مالک کے فتوے شروع سے اس طرح کے ہیں کہ جب تک قسم نہ ہو شرط نہیں ہوگی، ان کے نزدیک شرط قسم کے تحت ہوگی۔ یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہے۔ اس زمانے میں بہت جھگڑے ہیں۔ ہمارے ہاں عائلی کمیشن کی جو رپورٹ ہے اس میں اس طریقے کی بہت سی چیزیں ہیں۔ میرے نزدیک مسئلہ کی شکل یہ ہے کہ کوئی چیز یا کوئی شرط جو مقصد نکاح کے منافی ہو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اور جو شرط مقصد نکاح کے منافی نہیں ہو گی وہ پوری ہوگی۔ حدیث میں آیا ہے کہ سب سے زیادہ محترم شرطیں وہ ہیں کہ جن شرطوں کی بدولت کوئی مرد ایک عورت کی عزت و آبرو کا مالک بنتا ہے۔ یہ حدیث فرض کر لیجیے کہ ضعیف بھی ہو تو بات اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے۔ کوئی شرط معمولی بات نہیں ہے۔ اگر وہ مقصد نکاح کے منافی ہوگی تو مانی نہیں جائیگی۔ لیکن اگر منافی نہیں ہوگی تو سب شرطیں ٹھیک ہیں۔ مقصد نکاح کے منافی شرط آپ سے آپ باطل ہو جائے گی۔ اگر مرد نے معاہدے پر دستخط کیے ہیں تب بھی وہ توڑ سکتا ہے۔

باب :نِكَاحُ الْمُحَلِّلِ وَمَا اَشْبَهُ

باب: محلل کے نکاح اور اس سے متعلق دوسری باتوں کے بارے میں

محلل اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی ایسے شخص کو جس نے اپنی بیوی کو طلاق قطعی دے چھوڑی ہے اس کے لیے اس کی بیوی کو جائز کرنے کے لیے اس عورت سے نکاح کرتا ہے۔ اس کو شریعت میں حلالہ کہتے ہیں۔ شریعت میں حکم ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو قطعی طریقہ سے طلاق دے چھوڑے تو وہ شخص اس عورت سے نکاح نہیں کرسکتا جب تک وہ عورت کسی دوسرے کے نکاح میں نہ جائے۔ اور پھر وہ اس کو طلاق نہ دے دے۔ شریعت نے یہ شرط اس لیے لگادی ہے کہ نکاح وطلاق کے معاملات بچوں کا کھیل نہ بن جائیں۔ اس صورت میں کیا احکام ہیں اور کیا حیلے حوالے پیدا ہوتے ہیں اس بارے میں یہ باب ہے۔

۱۵۔حدثنی: يَحْيىٰ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الزَّبِيرِ أَنَّ رِفَاعَةَ بْنَ سِمْوَالٍ طَلَّقَ اُمْرَاَتَهُ تَمِيْمَةَ بِنْتَ وَهْبٍ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثَلاثًا فَنَكَحَتْ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ الزَّبِيرِ فَاعْتَرَضَ عَنْهَا فَلَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَمَسَّهَا فَفَارَقَهَا فَأَرَادَ رِفَاعَةُ أَنْ يَنْكِحَهَا وَهُوَ زَوْجُهَا الْأَوَّلُ الَّذِي كَانَ طَلَّقَهَا فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَنَهَاهُ عَنْ تَزْوِيجِهَا وَقَالَ لَاتَحِلُّ لَكَ حَتّٰى تَذُوقَ الْعُسَيْلَةَ۔

ترجمہ: زبیر بن عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں کہ رفاعہ بن سموال نے اپنی بیوی تمیمہ بنت وہب کو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں طلاق دے دی تین طلاقیں تو اس نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کرلیا۔ ان کی طبیعت اس سے رکی اور وہ اس سے ملاقات کرنے پر قادر نہ ہوسکے تو انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ رفاعہ نے چاہا کہ اس سے پھر نکاح کرلے اور وہ اس کا پہلا شوہر تھا جس نے اس کو طلاق دی تھی۔ تو اس نے اس بات کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے اس کو اس سے نکاح کرنے سے روک دیا اور فرمایا کہ تم اس سے نکاح نہیں کرسکتے جب تک کہ وہ اس کا مزہ نہ چکھ لے۔

وضاحت:

عسیلہ کہتے ہیں شہد کو۔ حتیٰ تذوق العسیلۃ تعبیر ہے اس بات کی کہ جب تک کہ شوہر ملاقات نہ کرلے اس وقت تک وہ پہلے شوہر کے لیے جائز نہیں۔ اس سے عام لوگوں کا، جمہور فقہا کا مذہب یہ ہے کہ دوسرے شوہر سے یہی نہیں کہ نکاح کرے بلکہ نکاح کے بعد جب تک بالفعل اس نے ملاقات نہ کرلے۔ ملاقات کے بعد وہ اسے طلاق دے تب وہ عورت پہلے شوہر کے لیے جائز ہوگی ورنہ نہیں ہوگی اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے

فرمایا کہ جب تک اس کا مزہ نہ چکھ لے تب تک وہ شخص جس نے طلاق قطعی دی تھی اس سے نکاح نہیں کرسکتا۔ یہی روایت ہے جس پر جمہور کا مذہب ہے۔

لیکن سعید بن المسیب جو مدینے کے فقہا میں سے ہیں اور امام مالک ان کا بہت ذکر کرتے ہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ یہ بات نہیں ہے یعنی صرف نکاح کی شرط ہے، نکاح ہوا ہے پھر وہ طلاق دے دے گا تو نکاح زوج اول کے ساتھ جائز ہوجاتا ہے۔ یہ شرط کہ لازماً شوہری قسم کی ملاقات جب تک نہ ہو تب تک وہ جائز نہیں ہوسکتی ایک زائد بات ہے۔ سعید بن المسیب کی بنیاد حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ پر ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ جب تک وہ دوسرے سے نکاح نہ کرے پھر وہ اس کو طلاق نہ دے دے وہ اپنے پہلے شوہر کے لیے جائز نہیں ہوسکتی تو جب نکاح ہوگیا تو اندرون معاملات سے ہمیں کیا بحث۔ میرا مذہب بھی یہی ہے میں نے تفسیر میں بیان کردیا ہے۔ اب اس میں دو چیزوں کا جواب دینا چاہیے تب تک بات صحیح نہیں ہوگی۔ ایک تو یہ کہ آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا حتی تذوق العسیله تو اس کا مطلب کیا ہے اور ایک اس بات کا کہ سعید بن المسیب جو کہتے ہیں کہ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ تو وہ کس قدر مضبوط دلیل ہے۔

جب دوسرے فقہا نے مذہب بنالیا کہ دوسرے شوہر سے ملاقات شوہری کرے تو اس کے بعد سعید بن المسیب کی رائے کو لوگوں نے رد کردیا۔ جیسا کہ قاعدہ ہے کہ لوگ جب ایک مذہب کو اختیار کرلیتے ہیں تو اس کے لیئے آنکھ بند کرکے دلیلیں بیان کرتے ہیں۔ یہ بات بھی ہے کہ اتنے بڑے فقیہہ کا یہ مذہب ہے اور ان کے بعد والے جو فقہا ہیں وہ بہر حال ان سے اونچے کوئی صاحب بھی نہیں ہیں لیکن ان کو کہہ دیا کہ یہ خوارج کا مذہب ہے، معتزلہ کا مذہب ہے، جہمیہ کا مذہب ہے حالانکہ نہ جہمیہ کو جانتے ہیں نہ معتزلہ کو۔ اب یہ ہے کہ خوارج نے بھی اس کی تائید کردی تو اس سے سعید بن المسیب کا مرتبہ کم تو نہیں ہوتا۔ اب اس میں دیکھیے کہ سعید بن المسیب کے مذہب کو کمزور کرنے کے لیے انہوں نے دلائل کیا دئے۔ تنکح زوجاً وغیرہ کا مطلب ظاہر ہے کہ یہی ہے کہ جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ یہ کہتے ہیں کہ نکاح کے معنی وطی کے ہیں یہ ظاہر ہے کہ لغت کا مسئلہ ہے۔ لغت میں نکاح کے معنی کہیں بھی وطی کے نہیں آتے۔ وطی اگر ہے تو یہ اس کے تضمنات اور لوازم میں سے ہے اس کے معنی تو نہیں ہیں۔ اگر حدیث میں آیا ہے کہ النکاح من سنتی تو اس کے معنی یہ تو نہیں ہیں کہ وطی میری سنت میں سے ہے۔ نکاح ایک الگ چیز ہے۔ پھر یہ کہ نکاح کے معنی وطی کے بھی ہیں تو ان حضرات سے یہ پوچھیے کہ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ میں مونث کہاں ہے۔ تنکح مونث کا صیغہ ہے تو وطی کرنا مرد کا کام ہے یا کہ عورت کا؟ اگر نکاح کے معنی وطی کے کئے جائیں تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ یہاں تک کہ وہ عورت کسی سے وطی کرے تو یہ عورت کا کام تو نہیں ہے یہ مرد کا کام ہے تو یہ معنے یوں بھی غلط ہوجاتے ہیں۔

امام مالک نے روایت وہ لی ہے کہ جس میں راوی حضرات نے بہت سے ضروری حصے چھوڑ دیے ہیں جس کی وجہ سے اس کا صحیح مفہوم معین کرنے میں خرابی پیدا ہوئی ہے۔ اگر روایت ٹھیک پوری لی جاتی تو مطلب سمجھنے میں آسانی ہوتی۔ پوری روایت جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں نقل ہوئی ہے اس میں یہ ہے کہ جب اس عورت نے رفاعہ سے طلاق ملنے کے بعد عبدالرحمن بن زبیر سے نکاح کر لیا تو نکاح کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ میں نے ان سے نکاح تو کیا تھا لیکن۔۔۔ معلوم ہوتا ہے کہ بڑی منہ پھٹ اور آزاد قسم کی عورت تھی۔۔۔ کہا کہ واللہ لیس معه الا مثل هدبة: میں نے اس کا ترجمہ نہیں کر سکتا کسی عربی جاننے والے سے پوچھ لیجیے۔ ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کے بعد وہ صاحب جن سے نکاح کیا تھا انہوں نے جو فقرہ کہا وہ بھی بڑا شاندار ہے انہوں نے کہا: کذبت واللہ یارسول اللہ انی لا نفضها نفض الا دیم ولکنها ناشز: اس کا ترجمہ بھی کسی عربی جاننے والے سے پوچھ لیجیے۔ یہ روایت مسلم و بخاری دونوں میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت نے کندھا بدلنا چاہا اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے اگر اس کا کہا مان لیا ہوتا تو یہ کیسے کہتے کہ حتی تذوق العسیلہ، معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی بات نہیں مانی اور پھر اگر عبدالرحمن بن زبیر کی واقعی یہ پوزیشن ہوتی تو اتنا سخت فقرہ وہ کیسے کہتے، انہوں نے اپنی مردانگی کا جو عریاں ترین الفاظ ہو سکتے تھے ان میں اظہار کیا ہے۔ روایت کے وہ الفاظ جو امام مالک نے چھوڑے ہیں تو روایت کا صحیح مفہوم ان کے بغیر طے نہیں ہوتا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی بات نہیں مانی اور سمجھا کہ یہ محض کندھا بدلنا چاہتی ہے اس لیے کہا کہ نہیں تم سے وہ ملاقات کرے، مزا چکھے پھر طلاق دے تو تم نکاح کر سکتی ہو۔

اب مسئلہ میں صحیح پوزیشن کیا ہے وہ یہ کہ لازم ہے کہ وہ نکاح کرے، قرآن سے اتنا ہی ثابت ہے کہ دوسرے سے نکاح کرے اور نکاح کے متعلق یہ بات ثابت ہو کہ یہ کوئی سازش نہیں کہ کسی کے لیے جائز کرنے کے لیئے نکاح کیا گیا ہے بلکہ نکاح جس طریقہ سے ہوتا ہے اس طریقہ سے ہو لیکن کسی وجہ سے طلاق ہو گئی تو زوج اول کے لیے وہ جائز ہو گی۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ دوسرے شخص نے اس لیے نکاح کیا تھا کہ وہ نمائش کر کے طلاق دے دے تا کہ وہ زوج اول کے لیے جائز ہو جائے تو وہ حلالہ ناجائز ہو گا۔ جس طریقہ سے متعہ حرام ہے اسی طریقہ سے ناجائز حلالہ بھی حرام ہے۔ اگر نکاح عارضی ہو گا تو متعہ ہو گا اور حرام ہو گا۔ مولوی حضرات جو شرط لگاتے ہیں کہ نکاح کرے اور پھر میاں بیوی والی ملاقات کرے تو یہ شرط او پروالی شرط ہے۔ نہ قرآن سے اس کا ثبوت ہے نہ حدیث سے۔ حدیث کی توجیہ میں نے کر دی ہے۔ سعید بن المسیب کا مذہب بہت قوی ہے اور قرآن کے عین مطابق ہے۔

۱۶۔ وحَدّثنی عَنْ مَالِکٍ عَنْ یَحْییٰ بْنِ سَعِید عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهَا سُئِلَتْ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ اَمْرَ أَتَهُ اَلْبَتَّةَفَتَزَوَّجَهَا بَعْدَهُ رَجُلٌ آخَرُ فَطَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ یَمَسَّهَا هَلْ یَصْلُحُ لِزَوْ جِهَا الْأَوَّلِ أَنْ یَتَزَوَّجَهَافَقَالَتْ عَائِشَةُلاَ حَتّٰی یَذُوقَ عُسَیلَتَهَا :وَحدّثنی: عَنْ مَالِکٍ اَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ اَلْقَاسِمَ بنَ مُحَمَّدٍ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا بَعْدَهُ رَجُلٌ آخَرُ فَمَاتَ عَنْهَا قَبْلَ أَنْ یَمَسَّهَا هَلْ یَحِلُّ لِزَوْ جِهَا الْاَوَّلِ أَنْ یُرَاجِعَهَا فَقَالَ الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ لاَ یَحِلُّ لِزَوْ جِهَا الْأَوَّلِ أَنْ یُرَاجِعَهَا قَالَ مَالِکٌ فِی اَلْمُحَلِّلِ اِنَّهُ لَا یُقِیمُ عَلٰی نِکَاحِهِ ذٰلِکَ حَتّٰی یَسْتَقْبِلَ نِکَاحاً جَدِیداً فَاِنْ اَصَابَهَا فِی ذٰلِکَ فَلَهَا مَهْرُهَا۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ان سے فتوی پوچھا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق قطعی دے چھوڑی تو اس کے بعد ایک دوسرے شخص سے اس عورت نے نکاح کیا تو اس نے اس کو طلاق دی اس کو ہاتھ لگانے سے پہلے تو کیا وہ پہلے شوہر کے لیے جائز ہو سکتی ہے کہ اس سے نکاح کر لے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس وقت تک نہیں جب تک کہ وہ اس کا مزہ نہ چکھے۔ اور قاسم بن محمد سے فتویٰ پوچھا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی قطعی طلاق، پھر اس کے بعد ایک دوسرے نے اس سے نکاح کیا اور وہ مر گیا اس کو ہاتھ لگانے سے پہلے تو کیا اس کے پہلے شوہر کے لیے یہ بات جائز ہو سکتی ہے کہ اس سے مراجعت کر لے تو قاسم بن محمد نے کہا کہ اس کے پہلے شوہر کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس سے مراجعت کر لے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ محلل کے لیے اس طریقہ کا نکاح (حلالہ بنانے کے لیے) جائز نہیں ہوتا جب تک کہ وہ جدید نکاح نہ کر لے اور اگر اس نکاح کے دوران (جو اس نے محلل بن کر کیا تھا) وہ عورت سے ملاقات کرتا ہے تو عورت مہر کی حقدار ہے۔

وضاحت:

اس روایت میں سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کا فتویٰ ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی بنیاد وہی ہے جس کی بنیاد کو میں نے مجروح کیا ہے۔ اس پر آپ ایک اعتراض کر سکتے ہیں وہ یہ کہ کیا حدیث کا مطلب حضرت عائشہؓ زیادہ سمجھتی ہیں یا تم سمجھتے ہو۔ تو میں یہ کہتا ہوں کہ یہ تو صحیح ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کی جوتی کی خاک بھی نہیں ہوں

لیکن اس بات پر مجھے کہنا پڑے گا کہ یہ روایت صحیح ثابت نہیں۔ جب مسئلہ بن جاتا ہے تو آپ کچھ نہ کچھ اپنی تائید میں گھڑتے ہیں اور اس کے حق میں دلیل قاسم بن محمد کی روایت ہے۔ ان سے فتویٰ پوچھا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی قطعی طلاق۔ پھر اس کے بعد ایک دوسرے شخص نے اس عورت سے نکاح کیا اور وہ مر گیا اس کو ہاتھ لگانے سے پہلے تو کیا اس کے پہلے شوہر کے لیے یہ بات جائز ہو سکتی ہے کہ وہ اس مراجعت کرے؟ قاسم بن محمد نے کہا کہ اس کے پہلے شوہر کے لیے جائز نہیں کہ اس سے مراجعت کرے۔ کیوں مراجعت نہ کرے؟ اس لیے کہ اس نے ابھی اس کا مزہ نہیں چکھا۔ اب یہ دیکھیے کہ کتنی غیر عقلی بات ہے کیوں کہ شوہر مر گیا اور اس کا مزہ نہیں چکھا تو اب پہلا شوہر اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ تو یہ بالکل خلاف عقل بات معلوم ہوتی ہے۔ ان فقیہ کا فتویٰ سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک غیر معمولی قسم کی زحمت پیدا ہوتی ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ عورت کے راستے میں یہ رکاوٹ پیدا کی جائے۔ حضرت عائشہؓ کا فتوی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے فتویٰ میں میں یہ کہتا ہوں کہ اس میں کوئی جھول ہے۔ اس کی تحقیق کے پیچھے پڑنے کی فرصت میں نہیں رکھتا۔ قرآن کے اوپر مبنی جو چیز ہے وہ صرف اتنی ممانعت ہے کہ حتی تنکح زوجاً غیرہ اس سے بات پوری ہو جاتی ہے کہ ایک شخص نے نکاح کیا ہے کوئی ثبوت آپ کے پاس نہیں کہ اس نے حیلہ کیا ہے اور پھر یہ کہ اس نے طلاق دی اور طلاق دینے کی کوئی شرعی وجہ ہے۔ کوئی ثبوت اسی بات کا نہیں کہ کوئی حیلہ ہے تو میرے نزدیک یہ بالکل صحیح ہے کہ عورت پہلے شوہر سے نکاح کرے۔ ہاں اگر کوئی ثبوت ہوگا کہ کسی حیلے کو دخل ہے تو وہ نکاح باطل ہے۔

(ترتیب: سید اسحاق علی)

محبوب سبحانی

سنت اللہ

اللہ تعالیٰ نے جب دنیا بنائی تو اس وقت یہ طے کر دیا کہ اس کارخانہ قدرت کو کیسے چلایا جائے گا سورج، چاند، ستارے، ابر و ہوا اور نباتات کو ایک ضابطہ کا پابند کر دیا کہ وہ اس کے مطابق اپنی سرگرمیاں دکھاتے رہیں گے۔ حیوانات کی جبلتیں مقرر کر دیں جن کے مطابق وہ اپنی زندگی بسر کریں گے۔ صرف انسان کو اس نے اختیار و ارادہ کی نعمت عطا کی لیکن اس کے ساتھ ہی انسان کی فطرت میں خیر و شر کا شعور رکھ دیا اور اس کے اندر خیر سے محبت اور شر سے نفرت بھی ودیعت کر دی انسان کو صاحب ادراک بھی بنایا جو جزئیات سے کل اور کل سے جزئیات تک نتائج اخذ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں عطا کر کے یہ فرمایا کہ جو لوگ اپنی آزاد مرضی سے میرے پسندیدہ طریقے پر چلیں گے ان کو اجر ملے گا اور جو اس سے انحراف کریں گے وہ سزا کے مستوجب ہوں گے۔ اپنے پسندیدہ طریقوں کو جاننے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کی عقل و فطرت پر انحصار نہیں کیا کیونکہ عقل کی محدودات ہیں۔ وہ جذبات سے مغلوب ہو جاتی ہے زیادہ دور بین بھی نہیں ہے اس طرح فطرت میں اگرچہ بڑی بڑی نیکیوں اور برائیوں کا شعور موجود ہے لیکن اس کی جزئیات اور تفصیلات موجود نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی کی روشنی مہیا کرنا بھی ضروری سمجھا اسی لیے اس کو نور علیٰ نور کہا۔ اس مقصد کے لیے دنیا میں انبیاء علیہ السلام بھیجے گئے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی پسند و ناپسند اور امر و نہی کو بالکل واضح کر دیا۔ جس کے لیے انبیاء علیہ السلام کو جاں گسل مشکلات و مصائب سے گزرنا پڑا بعض قومیں ایمان لائیں اور بیشتر نے انحراف کی راہ اختیار کی۔ افراد کے معاملہ میں بھی یہی کچھ ہوا۔

سنت اللہ کا مفہوم

انبیاء و رسل کو مبعوث کرنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت یا اپنے ضابطے بھی بیان کر دیے جن کے مطابق اللہ تعالیٰ قوموں اور افراد کے ساتھ معاملہ کرے گا۔ جن کو سنت اللہ کہا جاتا ہے۔ سنن سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ ضابطے اور قاعدے ہیں جن کے تحت وہ قوموں اور افراد کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ ایک قوم اگر

اللہ تعالیٰ کے احکام وہدایت کی تعمیل اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی پیروی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو برومند اور کامیاب کرتا ہے اور زمین کی خلافت اس کو عطا کرتا ہے اس کے برعکس اگر کوئی قوم خدا کے احکام وقوانین کی نافرمانی اور اس کی تکذیب کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو فنا کر دیتا ہے۔ اس سنت کے مظاہر خدا کی زمین میں بے شمار ہیں۔ سرزمین عرب میں اس کے مظاہر عاد، ثمود، اہل مدین، آل فرعون اور قوم لوط وغیرہ کے آثار کی شکل میں موجود ہیں۔ نبیوں اور رسولوں کو دنیا میں بھیجنے کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی کیا سنت ہے، رسول جب اپنی دعوت کا آغاز کرتا ہے اسے کن حالات سے سابقہ پیش آتا ہے۔ کس کس قسم کے لوگوں کا دعوت کے متعلق کیا کیا رویہ ہوتا ہے اور کیوں ہوتا ہے، ان تمام امور کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی کیا سنت ہے اور اس کے پیچھے کون سی گہری حکمت ہے اس سلسلۂ مضامین میں ان کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

سنت نہ بدلتی اور نہ ٹلتی ہے

سنت اللہ کے متعلق یہ جان لینا ضروری ہے کہ یہ کوئی دنیاوی قوانین واحکامات نہیں ہیں جو وقت اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ تبدیل ہو سکیں۔ انسان کی عقل اور اس کا علم چونکہ محدود ہوتا ہے اور وہ ہر قسم کے حالات اور واقعات کا احاطہ نہیں کر سکتا اس لیے انسان کے بنائے ہوئے قوانین تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم محیط کل ہے، وہ ہر ایک کے متعلق جانتا ہے کہ وہ کن مراحل سے ہوتا ہوا کس منزل پر پہنچے گا اس لیے اس کی سنت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی اور چونکہ اللہ تعالیٰ غیب کا جاننے والا بھی ہے اس لیے وہ بعد میں آنے والے واقعات وحالات سے بھی باخبر ہے اس لیے اس نے اپنی سنت ان ہی کے مطابق مقرر کی ہے لہٰذا اس کے ٹلنے کا کوئی امکان نہیں ہو سکتا۔ سنت نہ بدلنے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہر قوم کے لیے بالکل یکساں اور بے لاگ ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ جو رویہ ایک قوم کے لیے باعث ہلاکت ہو چکا ہے وہی رویہ دوسری قوم اختیار کرے تو وہ اس انجام سے بچ جائے۔ نہ ٹلنے کا مفہوم یہ ہے کہ جب اس کے ظہور کا وقت آ جائے گا تو وہ لازماً ظہور میں آ کے رہے گی پھر اس کو ٹالنا یا اس کے رخ کو بدلنا کسی کے بس میں نہیں ہوگا۔ فرمایا:

"تو تم سنت الٰہی میں نہ کوئی تبدیلی پاؤ گے اور نہ تم سنت الٰہی کو ٹلتے ہوئے ہی پاؤ گے۔"

(فاطر۔43)

بعثت انبیاء

اللہ تعالیٰ عقل کی نارسائیوں اور فطرت کے خلا سے خوب واقف ہے اور چونکہ اخروی زندگی میں انسان کی

نجات کا انحصار اس کی دنیوی زندگی کے اعمال پر ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت، حکمت اور مصلحت کا یہ تقاضہ ہوا کہ وہ دنیا میں انسان کے لیے رشد وہدایت کا سلسلہ جاری کرے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم کے موقع پر فرشتوں کے اس اعتراض کا جواب میں کیا تھا کہ کیا تو اس کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنائے گا جو فتنہ وفساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ انسانوں کو سیدھی راہ دکھانے کے لیے رشد وہدایت کا سلسلہ جاری کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس سنت کے مطابق ہر قوم کے لیے اپنے ہادی، انبیاء ورسل بھیجے تا کہ وہ انسانوں کے سامنے عقل کے مقتضیات اور فطرت کے داعیات کو کھول کر بیان کر سکیں اور اللہ تعالیٰ کی پسند وناپسند اور امر ونہی کو واضح بیان کر سکیں۔ یہ مضمون قرآن مجید میں مختلف مواقع پر بیان کیا گیا ہے۔

"اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے" (یونس۔47)

"خدا کی قسم ہم نے تم سے پہلے بھی قوموں کی طرف رسول بھیجے۔ (النحل۔63)

"اور پھر ہم نے اس کے بعد رسول بھیجے ان کی اپنی قوموں کی طرف تو وہ ان کی طرف کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ (یونس۔74)

"اور ہم نے تم سے پہلے بھی رسول بھیجے ان قوموں کی طرف پس وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ (الروم۔47)

"ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل صحیفوں اور روشن کتاب کے ساتھ آئے تھے۔ (فاطر۔25)

انبیاء ورسل نے خود اس راستہ پر چل کر اپنی قوم پر اپنے اسوۂ حسنہ سے واضح کر دیا کہ ان اوامر ونواہی پر کس طرح عمل کیا جا سکتا ہے تا کہ قوم پر حجت تمام ہو سکے۔ جو لوگ ایمان لانا چاہیں وہ شرح صدر کے ساتھ ایمان لائیں اور دنیوی اور اخروی کامیابیوں کے سزاوار ٹھہریں اور جو لوگ کھلی کھلی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی اندھے بہرے بنے رہیں اور ایمان نہ لائیں وہ اس کا انجام بھگتنے کے لیے تیار رہیں۔

رسول قوم کا بہترین آدمی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق ہر قوم میں ان ہی کے اندر سے ان کے بہترین آدمی کو رسول مبعوث کیا تا کہ ان کا بہترین آدمی ان کی زبان میں حجت تمام کرے اور قومی اور لسانی اجنبیت بیچ میں حائل نہ ہونے پائے۔ اس طرح گویا اپنی ہی زبان اور اپنا ہی دل اس پر گواہی دیتا ہے اور خود اپنا بھائی حق نصیحت ادا کرتا ہے جس کی ہر اس شخص کو قدر کرنی چاہیے جس کے اندر حق کی عزت ہو۔ چنانچہ فرمایا:

"اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو رسول بنا کر بھیجا۔" (ہود۔ 50)

نیز فرمایا:

"اور تم سے پہلے جس کو بھی ہم نے رسول بنا کر بھیجا آدمیوں میں ہی سے بھیجا جن کو ہم وحی کرتے تھے۔" (انبیاء۔ 7)

"ہم نے جو رسول بھی بھیجا اس کو قوم کی زبان میں بھیجا تا کہ وہ ان پر اچھی طرح واضح کر دے۔" (ابراہیم۔ 4)

رسول اپنی عملی مثال سے قوم کے خیر کو اجاگر کرتا ہے اور ان کے شر کو مٹاتا ہے اس وجہ سے اس کی عملی زندگی ہر شخص کے لیے اسوۂ و نمونہ بن جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ فرض رسالت کی ادائیگی کے لیے ان ہی لوگوں کو چنا ہے جو اس کی مخلوق میں اخلاق و تقویٰ کے لحاظ سے نقطۂ کمال پر رہے ہیں چنانچہ فرمایا ہے:

"اور اللہ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا بوجھ کن پر ڈالے۔"

اس برگزیدگی کے بعد اللہ تعالیٰ انبیاء کی تربیت فرماتا ہے، ان کو اپنے امر و نہی سے مطلع فرماتا ہے اور جن چیزوں سے وہ ناواقف ہوتے ہیں انہیں ان کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ ہر لحہ ان کے اشاروں پر چلتے ہیں اور اس کی نگاہوں میں رہتے ہیں چنانچہ فرمایا:

"پس وہ ان کے آگے اور پیچھے پہرہ رکھتا ہے تا کہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغام پہنچا دیے اور ان کے سارے معاملات اس کے احاطہ میں ہیں اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے۔"

یعنی عالم غیب کی ایک مخصوص نگاہ انبیاء کرام کی نگرانی کرتی رہتی ہے اور ان کو لغزشوں سے بچاتی ہے۔ قبل اس کے کہ وہ کسی غلط راہ پر قدم رکھیں خدا کا ہاتھ ان کی رہنمائی کے لیے نمودار ہو جاتا ہے۔

جب کبھی بھی اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ اس کے رسول کے قدم کسی ایسی جگہ پہنچ گئے ہیں جہاں لغزش کا اندیشہ ہے تو وہ فوراً اس کو تنبیہ کر دیتا ہے، اور اگر وہ جوش و انہماک میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے تو بعض اوقات نہایت کھلے لفظوں میں باندازِ عتاب اس کو روکا جاتا ہے تا کہ جس چیز سے منع کیا جا رہا ہے اس کی اصل اہمیت اس کے سامنے واضح ہو جائے۔ پیغمبر اس وقت چونک جاتا ہے اور سامنے کے خطرہ کو دیکھ کر محسوس کرتا ہے کہ اگر خدا کے

غیر مرئی ہاتھ نے راہنمائی نہ کر دی ہوتی تو وہ بالکل خطرہ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ یہ چیز اس کے شکر و انابت کے جذبہ میں ایک جوش پیدا کرتی ہے اور وہ خضوع و خشوع کی تمام نیازمندیوں کے ساتھ ساتھ اپنے پروردگار کے سامنے گر پڑتا ہے اور اس سے اور زیادہ قریب ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح بچہ ماں کے ڈرا دینے کے بعد اس کے سینہ سے اور زیادہ چمٹ جاتا ہے یعنی یہ کہ پیغمبر کی باگ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ کبھی اس کو آگے بڑھاتا ہے اور کبھی روک لیتا ہے۔ یہ دونوں باتیں ایک خاص اصول حکمت پر مبنی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسانوں میں سے رسول بھیجے اسی طرح جنوں کے اندر بھی جنوں میں سے رسول بھیجے۔ سنت اللہ یہی ہے کہ جنوں کے اندر ان ہی کے اندر سے رسول آئیں جو ان کی بولی میں ان کی ضروریات اور حالات کے مطابق ان پر اللہ کی حجت تمام کریں۔ اتمام حجت انبیاء و رسل کی بعثت کا اصل مقصد ہوتا ہے جو اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ہر گروہ کے اندر ان کی فطرت کے مطابق رسول آئیں۔

انسان اور جن دو مختلف نوع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے اور جنوں کو آگ کے خلاصے سے پیدا کیا ہے دونوں کے مسائل اگر کل نہیں تو بیشتر الگ الگ ہیں۔ اشتراک ہو سکتا ہے تو عقائد و اخلاق کے بعض اصولوں میں ہو سکتا ہے، شریعت و قانون اور معاشرے کے مسائل تو لازماً الگ الگ ہوں گے۔ پھر رسول جو اسوہ اور نمونہ بن کر آتے ہیں اگر ان کے اندر سے نہ ہوئے تو وہ ان کے لیے اسوہ اور نمونہ کیسے بن سکتے ہیں۔ جب انسانوں کے لیے جنات میں سے کوئی رسول اسوہ نہیں بن سکتا تو انسانوں میں سے کوئی رسول جنوں کے لیے کیسے اسوہ بن سکتا ہے۔ ہر رسول کے اس کی قوم کے اندر سے ہونے کا خاص پہلو اتمام حجت کے نقطۂ نظر سے یہی ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ گویا خود اس کی زبان، خود اس کے ضمیر، خود اس کے ایک بھائی اور خود اسی کے ایک فرد کامل کے ذریعہ سے اس پر حجت قائم کر دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جنات قیامت کے روز یہ عذر پیش کر سکتے تھے کہ اے رب ہم جنات کے لیے کسی غیر جن کا قول و عمل کس طرح حجت ہو سکتا ہے۔ چنانچہ سورۂ انعام میں فرمایا:

"اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس میری آیتیں سنانے اور تمہارے اس دن کی ملاقات سے تم کو ہوشیار کرتے ہوئے تم میں سے رسول نہیں آئے۔" (سورۂ انعام۔ 130)

انبیاء علیہم السلام کا دستور یہ ہے کہ وہ توحید کی دعوت دیتے ہیں۔ توبہ و استغفار اور جزا و سزا کی منادی کرتے ہیں اور مغفرت کا اعلان کرتے ہیں اور ساتھ ہی اپنی بندگی اور بے چارگی کا بھی اعلان کرتے ہیں۔ سنت اللہ کے مطابق اس اعلان کے ساتھ ہی اس کائنات میں اس کے محرکات اور مویدات بھی ظاہر ہونا شروع

ہو جاتے ہیں۔ اس وقت آزمائشوں کا ظہور خاص طور پر ہوتا ہے تاکہ قوم کے اندر انابت وخشیت پیدا ہو اور لوگ رسول کی دعوت کی طرف متوجہ ہوں۔ ایک طرف پیغمبر لوگوں کو غفلت وخدا فراموشی کے انجام اور فساد فی الارض کے نتائج اور دنیا وآخرت میں خدا کی پکڑ سے ڈراتا ہے تاکہ لوگ آنکھوں سے بھی اگر ان کے پاس دیدۂ عبرت نگاہ ہو، دیکھیں کہ اس طرح اللہ تعالیٰ جب چاہے اور جہاں چاہے ان کو پکڑ سکتا ہے اور پھر خدا کے سوا کوئی ان کو بچانے والا نہیں بن سکتا۔ اس طرح گویا دعوت کے واقعات کی تائید اور عقل وفطرت کی شہادت کے ساتھ مشاہدہ کی اثر انگیزی بھی جمع ہو جاتی ہے۔ نبی جو کچھ کہتا ہے آسمان وزمین دونوں اپنے اپنے اسٹیج پر گویا اس کے مناظر دکھا بھی دیتے ہیں تاکہ جن کے اندر اثر پذیری کی کچھ بھی رمق ہو وہ خدا کے آگے جھکیں اور توبہ و اصلاح کریں۔ جن کے پاس دیکھنے والی آنکھیں اور اثر قبول کرنے والے دل ہوتے ہیں وہ ان آزمائشوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور خدا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ ان کو گویا دین کی دعوت کی بازگشت تمام عناصر کائنات سے سنائی دیتی ہے اور وہ صرف کانوں سے سنتے ہی نہیں بلکہ آنکھوں سے دیکھتے بھی ہیں۔ جیسا کہ شق القمر کا واقعہ ہے جس کے ذریعہ بتایا گیا کہ قیامت کا آنا بعید از امکان نہیں یہ محض نبی ﷺ کی دھونس نہیں ہے سورۂ اعراف میں فرمایا:

''اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی رسول بھیجا اس کے باشندوں کو مالی اور جسمانی مصائب سے آزمایا کہ وہ رجوع کریں۔'' (اعراف۔94)

اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام دعوت حق کے لیے فضا سازگار بنانے کے لیے فرمایا ہے لیکن لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھانے کی بجائے یا تو اپنے لیڈروں کے اس مغالطے سے اپنے آپ کو تسلی دے دی کہ اس طرح کے نرم و سخت دن قوموں کی زندگی میں آیا ہی کرتے ہیں ان کو کسی کی تصدیق یا تکذیب سے کیا تعلق؟ یا ان آفتوں کو رسول اور اس کے ساتھیوں کے کھاتے میں ڈال دیا کہ یہ ان کی نحوست کے نتائج ہیں جن سے ہم دوچار ہو رہے ہیں۔ یہ ہمارے معبودوں اور ہمارے باپ دادا کے دین کے مخالف بن کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اس وجہ سے ہمارے معبودوں اور بزرگوں کی مار ان پر پڑی ہے اور ان کی لائی ہوئی آفت میں ہم بھی حصہ پا رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

''اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو تم بھلائی سے پہلے برائی کے لیے کیوں جلدی مچائے ہوئے ہو؟ تم اللہ سے مغفرت کیوں نہیں مانگتے کہ تم پر رحم کیا جائے انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو یہ سب تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی نحوست سمجھتے ہیں۔ (نمل۔ 47-46)

ان مختلف قسم کی مالی وجسمانی مصیبتوں میں مبتلا کرنے کا مقصد خدا کا خوف پیدا کرنا ہوتا ہے تاکہ قوم یہ سوچے کہ اگر اس نے نبی کی بات نہ مانی تو بالآخر خدا کی فیصلہ کن پکڑ میں آجائے گی اور وہ تباہ کر دی جائے گی لیکن خدا کی ان تنبیہات سے ان کے دل نرم پڑنے کی بجائے اور سخت ہو گئے اور جن بد اعمالیوں میں وہ مبتلا تھے ان سے باز آنے کی بجائے ان میں کچھ اور دلیر ہو گئے۔ انہوں نے تنبیہات کے گزر جانے کے بعد ان کو نظر انداز کر دیا کہ قوموں کی زندگی میں ایسے حوادث تو پیش آیا ہی کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے نمایاں مثال قوم فرعون کی ہے۔ حضرت موسیٰ نے جب دعوت کا آغاز کیا اور فرعون کی قوم نے اس کا مذاق اڑانا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون پر رعد، گرج، کڑک، اولوں، ٹڈیوں، جوؤں، مینڈکوں اور خون کے تنبیہی عذاب یکے بعد دیگرے بھیجے۔ قوم ہر عذاب پر حضرت موسیٰ سے یہ وعدہ کرتی کہ اگر یہ عذاب ٹل جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے لیکن حضرت موسیٰ کی دعا کے نتیجہ میں جب جب عذاب ٹلتے رہے وہ اپنے وعدوں سے منحرف ہوتی گئی اور بالآخر وہ ایمان نہیں لائی۔ اس طرح حضرت ہودؑ کے زمانہ میں قوم عاد پر خشک سالی کا عذاب آیا لیکن عذاب ٹل جانے کے بعد بھی انہوں نے اپنی سرکشی کی روش تبدیل نہیں کی۔

ایسے بدمست لوگوں کی رسی خدا دراز کر دیتا ہے اور پھر اچانک ان پر عذاب آدھمکتا ہے فرمایا:

''تو کیوں جب ہماری پکڑ آئی تو وہ خدا کی طرف نہ لپکے بلکہ ان کے دل اور سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کی نگاہوں میں اس عمل کو کھبا دیا جو وہ کرتے رہے تھے۔'' (انعام۔43)

بشیر

کسی قوم کی طرف رسول کی بعثت اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہوتا ہے۔ رسول اپنے قوم کے افراد کے مزاج اور ان کی روایات سے بخوبی آگاہ ہوتا ہے اس لیے جب وہ ان کے ایک فرد کی حیثیت سے قوم کی زبان میں خدا کا پیغام ان تک پہنچاتا ہے تو حقیقت میں وہ سب سے بڑی دولت ان میں بانٹ رہا ہوتا ہے جس سے وہ نہ صرف اپنی دنیا سنوار سکتے ہیں بلکہ آخرت میں فلاح کے مستحق بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر قوم پیغام کی قدر کرتی ہے تو اس پر رب کریم کی رحمت کے مزید دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس کے لیے زمین اپنے خزانے اگل دیتی ہے اور آسمان اس کی خوشحالی میں اپنا حصہ ادا کرتا ہے اسی لیے اللہ کے رسول کو بشیر بھی کہا جاتا ہے کہ وہ

حق قبول کرنے والوں کو اللہ کی رحمت کی خوشخبری سناتا ہے۔ رسول جب تک اپنی قوم کے اندر موجود رہتا ہے وہ قوم کے اندر بمنزلہ دل کے ہوتا ہے، وہ قوم کے لیے اپنے رب سے مغفرت مانگتا رہتا ہے اور قوم کو استغفار کی دعوت بھی دیتا رہتا ہے، قوم کے اندر اس کا وجود اس بات کا شاہد ہے کہ ابھی قوم میں زندگی کی رمق باقی ہے۔ اس کی دعوت سے ان لوگوں کو زندگی ملتی ہے جن کے اندر حیات ایمانی قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے اور رسول کا استغفار بھی قوم کے لیے سپر بن جاتا ہے۔ قوم کے اشرار خواہ کتنی ہی شرارتیں اور خدا اور رسول کو کتنا ہی چیلنج کریں اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرماتا ہے اور اگر ان کو کسی آفت میں مبتلا کرتا ہے تو اس کی نوعیت ایک تنبیہ کی ہوتی ہے نہ کہ فیصلہ کن عذاب کی۔ جو قوم رسول پر ایمان لے آتی ہے اللہ تعالیٰ اس قوم کو برومند کرتا ہے اور زمین میں اس کو اقتدار بخشتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے عمل صالح کیے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک میں اقتدار بخشے گا جیسا کہ ان لوگوں کو اقتدار بخشا جو ان سے پہلے گزرے اور ان کے لیے اس دین کو متمکن کرے گا جس کو ان کے لیے پسندیدہ ٹھہرایا اور ان کی اس خوف کی حالت کے بعد اس کو امن سے بدل دے گا۔'' (نور۔55)

رسولوں کی بعثت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عدل کے ظہور کے لیے ضروری ہے یعنی یہ قیامت صغریٰ کا ظہور ہے کیونکہ اس وقت ایک قوم فائز المرام ہوتی ہے اور دوسری فنا کر دی جاتی ہے۔ خدا کی طرف سے پوری طرح اتمام حجت ہو جاتا ہے اور لوگوں کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ فرمایا:

''اللہ نے رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور ہوشیار کرنے والے بنا کر بھیجا تاکہ ان رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے۔'' (النساء۔165)

انبیاء کے ابتدائی ساتھی

شروع شروع میں بالعموم انبیاء کا ساتھ نوجوانوں نے دیا۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ بھی اسی حقیقت کی شہادت دیتی ہے اور دوسرے انبیاء کی تاریخ بھی اگر تفصیل سے معلوم ہو سکے تو اس سے بھی یہی بات ثابت ہو گی۔ اس کی واضح نفسیاتی وجہ یہ ہے کہ حضرت انبیاء جس ہمہ گیر دعوت ایمان کو لے کر اٹھتے ہیں اس کو ابتدائی مراحل میں آگے بڑھ کر قبول کرنا بلند حوصلگی بلکہ جان جوکھم کا کام ہوتا ہے۔ اس کی ہمت وہ لوگ آسانی سے

نہیں کر سکتے جو روایات سے مرعوب اور حالات و مصالح کی رعایت کے خوگر ہوں۔ ایسے لوگوں کا حجاب آہستہ آہستہ ہی ٹوٹتا ہے نوجوانوں میں اس قسم کی مرعوبیت اور مغلوبیت کم ہوتی ہے اس وجہ سے ان کو جب دعوت حق اپیل کر لیتی ہے تو وہ اپنے بڑوں اور بزرگوں کی سرزنش کی کچھ زیادہ پروا نہیں کرتے ہیں اور نہ وقت کے ارباب اقتدار کی برہمی کو خاطر میں لاتے ہیں۔ ارشاد ہوا:

''تو موسیٰ کی بات نہ مانی مگر اس قوم کے تھوڑے نوجوانوں نے ڈرتے ہوئے فرعون اور اپنے بڑوں سے کہ مبادا وہ ان کو کسی فتنہ میں ڈال دے۔'' (یونس۔83)

اس لیے دعوت حق میں سب سے پہلے لبیک کہنے والے بالعموم نوجوان ہوتے ہیں ان کی جرأت و ہمت اور بلند حوصلگی دیکھ کر دوسرے لوگوں میں انبیاء کی دعوت کو قبول کرنے کا حوصلہ پیدا کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین کے مبارک عہد میں دین و دنیا کے تمام امور مہمہ کا مرکز مسجد ہی تھی اور خلیفہ وقت کے اولین فرائض میں سے یہ بات تھی کہ وہ پنج وقتہ نمازوں میں مسلمانوں کی امامت کرے۔ کیونکہ جس خلافت الٰہیہ کا وہ امیر ہوتا تھا اس کا پہلا مقصد ہی یہی تھا کہ دنیا میں نماز قائم ہو اور نماز کی شکل میں خدا کی اس آخری دعوت کی شہادت دی جائے جس میں دنیا کی نجات کا راز مضمر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نماز کی امامت کے لیے سب سے زیادہ موزوں شخصیت خلیفہ وقت کی ذات ہی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ جب تک مسلمانوں میں نماز کی یہ اہمیت و عظمت باقی رہی، اس وقت تک امامت کی خدمت خلفائے اسلام ہی انجام دیتے رہے۔ لیکن آہستہ آہستہ، جب دین کی حقیقت اور اسی کے ساتھ ساتھ نماز کی عظمت فراموش ہو گئی اور دنیا پرست امراء مسلمانوں کے فرمانروا ہوئے تو انہوں نے مسجدوں اور جماعتوں کی حاضری ترک کر دی۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ دردانگیز زمانہ آ گیا کہ آج دنیا کے ہر کام کے لیے اہلیت و صلاحیت کا سوال ہوتا ہے، لیکن نمازوں میں امامت کے لیے کسی اہلیت و صلاحیت کی ضرورت نہیں ہے۔

(حقیقت نماز)

محبوب سبحانی

اسلام۔ مستقبل کی بازیافت

اپنے موضوع کے اعتبار سے یہ ایک اہم کتاب ہے جسے راشد شہباز نے تحریر کیا ہے اور ملی پبلیکیشنز نئی دہلی نے شائع کیا ہے۔ راشد شہباز انگریزی و عربی زبان وادب اور اسلامی علوم کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں اور اپنے دل میں احیائے اسلام کی تڑپ رکھتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے وہ کورانہ تقلید اور فکری جمود کے سخت مخالف ہیں اور قرآن سے راست تعلق کے نقیب ہیں۔ انہوں نے ۱۹۸۱ میں بھارت میں احیائے اسلام کا منشور شائع کیا تھا اور ۱۹۹۳ میں بھارتی مسلمانوں کے ملک گیر کنونشن میں ملی پارلیمنٹ کی بنا ڈالی۔ اس کتاب کے ذریعہ انہوں نے بین الاقوامی کونسل برائے اسلام کے قیام کا اعلان کیا ہے اور دنیا بھر کے سوچنے سمجھنے والے مسلمانوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی ہے۔

فاضل مصنف نے اس کتاب میں اس دور کے اہم ترین سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ آخری وحی کے حامل ہونے کے باوجود آج مسلمان ادبار اور زوال کا کیوں شکار ہیں۔ اس سوال پر اہل علم برابر غور کرتے آئے ہیں اور تقریباً سب ہی اس کی یہی وجہ بتاتے ہیں کہ مسلمانوں نے کتاب وسنت پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ فاضل مصنف زیادہ گہرائی میں جاکر اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہیں کہ مسلمان جن کو جہاں بانی کا فریضہ سونپا گیا تھا آج تاریخ کے حاشیہ پر کیوں نظر آتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسکی وجہ یہ ہے کہ مسلمان خود ساختہ غلط فہموں کے اسیر بن چکے ہیں اور وہ اپنے آپ کو خیر امت کی حیثیت سے دیکھنے کی بجائے جس کے لیے یہ امت برپا کی گئی ہے تمام امور کو خالص قومی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ ان کی نگاہ اپنے قومی امور اور ملی فلاح سے آگے نہیں دیکھ پاتی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پوری دنیا کی سیادت کے منصب پر فائز کیا تھا لیکن وہ اپنی پیدا کردہ غلط فہمیوں کے زیر اثر دنیا کو دارالسلام اور دارالکفر کی اصطلاحوں میں دیکھنے کے اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ وہ ان کو آپس میں حریف سمجھتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کرکے

دوسری تہذیبوں کی سعید روحوں کو فطری حلیف سمجھنے کی بجائے انہیں حریف سمجھ لیا گیا ہے اور مسلمان خود کو بھی دوسرے انبیائے کرام کی امتوں کی طرح ایک امت سمجھتے ہیں حالانکہ مسلمان امت محمد یہ نہیں بلکہ امت مسلمہ ہیں۔ آخری رسول ﷺ کا تصور فی نفسہ اس بات کا اعلان ہے کہ آپ کے بعد آپ کے متبعین کار نبوت کا فریضہ انجام دیتے رہیں گے۔ اس کار عظیم کے لیے پوری امت کے لیے ہر وقت آنکھیں کھلی اور دل ودماغ کو بیدار رکھنا ضروری تھا۔ یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ امت کا قرآن مجید سے راست تعلق قائم رہتا لیکن امت نے یہ کام طبقہ علما کے سپرد کردیا۔ امت کا علماء پر انحصار اتنا بڑھ گیا کہ وہ رفتہ رفتہ وحی کی روشنی سے دور ہوتی گئی۔

نوبت یہاں تک آن پہنچی ہے کہ قدماء کے اقوال اور ان کی فکری جولانیاں بعد والے علماء کا مبلغ علم بن گئیں جس سے افکار نو کی نمو کے امکانات ختم ہو گئے اور پوری امت ایک خول میں بند ہو کر رہ گئی۔ فاضل مصنف کے نزدیک امت تفرقے کے عذاب میں جینے پر مجبور ہے کیونکہ مسلمان چار فقہی گروپوں اور مسالک میں بٹ چکے ہیں جو وحی کی جامد تفہیم کا نتیجہ ہے۔ حیرت ہے کہ مصنف نے آئمہ اربعہ کے متعلق یہ کیسے گمان کر لیا کہ وہ وحی کی جامد تفہیم رکھتے تھے۔ انہوں نے لکھا ہے۔ "قرآن مجید کے بہتے آبشار کے گرد فقہا ومفسرین کی تعمیر کردہ دیواریں، مورخین اور روایت سازوں کے ذریعہ فراہم کیا جانے والا تاریخی تناظر اور سب سے بڑھ کر یہ خیال کہ سلف صالحین کا انسانی فہم التباسات سے ماورئی ہے اور اسکو وحی جیسا تقدس حاصل ہے وہ عوامل ہیں جس نے وحی جیسی Sublime شئے سے اخذ واکتساب کے سلسلہ میں ہمیں یہ باور کرا رکھا ہے گویا یہاں دماغ کے استعمال کی ضرورت نہیں۔" اس طرح کتاب ہدایت کی اتباع میں ہمارا ہر قدم دراصل سلف صالحین کی اتباع پر ہو جاتا ہے۔ پھر یہ سلسلہ یہیں نہیں رکتا کیونکہ ہر شخص کے اپنے اپنے پسندیدہ سلف صالحین ہیں جن کی اتباع کو وہ جزو دین جانتا ہے اور اسکا دامن تھام لینے کو غایت دین قرار دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج وقت کی مذہبی زندگی سلف صالحین کے گرد گردش کرنے پر مجبور ہے جس نے ہمیں اصل ماخذ وحی سے دور کردیا ہے بلکہ دین کے نام پر ہم بڑی حد تک قدماء کی فہم کے تابع ہو گئے ہیں۔

فاضل مصنف کے نزدیک اب ہمارے اسلام کا تصور آفاقی نہیں رہا بلکہ قومی بن چکا ہے۔ اس قومی تصور نے پوری دنیا میں مسلم نوجوانوں اور ان کی احیائے اسلام کی تحریکوں کو ایک غول بیابانی میں تبدیل کردیا ہے وہ قدیم مشرقی ثقافتی علامتوں کو اسلام سمجھ بیٹھے ہیں جس سے ذرہ برابر بھی انحراف کفر واسلام کی جنگ بن جاتی ہے۔ صاحب کتاب نوحہ کناں ہیں کہ دنیا فساد سے بھرتی جارہی ہے۔ بدقسمتی سے خود حاملین قرآن اس قومی تصادم میں فریق بن گئے ہیں حالانکہ ہم پوری انسانیت کی فلاح ونجات کے لیے پیدا کئے گئے ہیں اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ اس آفاقی اسلام کو وحی کے دفینے سے ازسرنو برآمد کیا جائے جس کے پس پشت چلے

جانے کی وجہ سے ہم تاریخ سے انحراف میں جینے پر مجبور ہیں۔ اس مایوسی کے اندھیرے میں مسلمانوں کی قابل لحاظ آبادی یہ آس لگائے بیٹھی ہے کہ اس صورت حال سے نجات دلانے کے لیے کوئی مہدی منتظر یا مسیح موعود بس آنے ہی والا ہے۔ فاضل مصنف نے بجا طور پر کہا ہے کہ یہ ہزیمت خوردہ قوموں کا داعیہ ہوا کرتا ہے کہ وہ نجات دہندہ کے منتظر رہتے ہیں۔

فاضل مصنف نے مغربی تہذیب کے مکروہ چہرہ سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھا ہے کہ اقوام مغرب کے نیچے اب وہ پتھر نہیں رہا جس کے باعث ان کی سماجی زندگی قائم تھی۔ کیتھولک عقیدہ کے زوال سے لے کر لبرل سرمایہ داری کے سفر میں اہل مغرب خود کو جس دنیا میں پاتے ہیں وہ حریت فکر، روشن خیالی اور اکرام آدمیت کی دنیا نہیں ہے بلکہ لبرل فاشزم کا یہ منظر نامہ ہے جس کے بعد مغرب کے مفکرین نے سفر تاریخ کے خاتمہ کا بگل بجا دیا ہے۔ کمیونزم کے زوال اور سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد جن لوگوں کو توقع تھی کہ امریکی معاشرہ میں فکر و نظر کی وسعت اور انسانی آزادی کا جو تجربہ ہوا ہے اسکا دائرہ پوری دنیا تک پھیل جائے گا انہیں سرمایہ داری کے انسانی چہرہ کے پیچھے چھپے چہرہ کو دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی ہے۔ انہیں اس خیال نے لرزہ براندام کر دیا کہ جنت نشان امریکہ کی تابناک خوشحالی کے پیچھے مقہور و مجبور اقوام اور پسماندہ ممالک کا نہ تھمنے والا استحصال ہے۔

راشد شہباز نے اہل فکر مسلمانوں کو اس بات پر غور کرنے کی دعوت دی ہے کہ یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ آخری امت کے ہاتھوں تاریخ کی لگام پھسلتی چلی گئی۔ جنہیں اہل زمین کی نجات دہی کے لیے مامور کیا گیا تھا وہ اپنی ہی موت و حیات کی کشمکش میں گرفتار ہو گئے۔ ان کا خیال ہے کہ اس بنیادی سوال کا جواب فراہم کئے بغیر مغرب کے مسلسل بڑھتے ہوئے سیلاب پر روک لگانا ممکن نہیں۔

فاضل مصنف نے بجا طور پر یہ اہم سوال بھی اٹھایا ہے کہ گزشتہ چند صدیوں میں اسلام کا فکری سرمایہ مدافعت کی زبان میں کیوں لکھا گیا ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ جو لوگ نظری طور پر دنیا کی قیادت کے لیے اٹھائے گئے تھے اور جنہیں آخری نبی ﷺ کے متبعین کی حیثیت سے رحمت للعالمینی کا فریضہ انجام دینا تھا وہ خود کو اقوام عالم کے مقابلہ میں ایک فریق کی حیثیت سے دیکھنے کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ ان کی نفسیات پر مدافعت پوری طرح غالب آ گئی ہے۔ ان کے نزدیک گزشتہ صدیوں میں دین کے نام پر جو سیاسی تحریکیں اٹھی ہیں انہوں نے دین کو سیاسی نعرے کے طور پر استعمال کیا۔ ان تحریکوں نے شریعت کے حوالے سے فقہی زندگی کے احیاء کو کافی جانا اور وہ شریعت کو فقہ کا متبادل سمجھنے کی غلطی میں مبتلا ہوئے۔

انہوں نے موجودہ عالمی صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے خیال ظاہر کیا ہے کہ دنیا ایک طرف سرمایہ

دارانہ فاشزم کے نرغے میں ہے تو دوسری طرف دنیا کے آخری نجات دہندوں پر مقصد سے بے شعوری اور کار نبوت سے بے خبری کی فضا عام ہے۔ انسانی تاریخ آج اندھی گلی میں پھنس چکی ہے۔ اس سے نکلنے کا راستہ یہی ہے کہ مسلمان ماضی کی طرح قائدانہ رول ادا کریں لیکن افسوس ہے کہ آج پوری امت دین آباء کی اسیر ہو کر رہ گئی ہے۔ وحی کے گرد تشریحات و تاویلات، قصص و تاریخ اور روایات و کشف کے پہرے اتنے سخت ہیں کہ اب کتاب ہدایت سے راست اکتساب کا چیلنج قبول کرنے پر وہ لوگ بھی آمادہ دکھائی نہیں دیتے جنہوں نے اپنی عمر عزیز کو علوم دین کے حوالے سے وقف کر رکھا ہے۔ مصنف نے امید دلائی ہے کہ اگر ہم اپنی غلطیوں کے اعتراف کا حوصلہ رکھتے ہوں تو حاملین قرآن کے لیے نئی صبح کی بشارت دینا ممکن ہے۔

فاضل مصنف کی یہ تنقید بڑی برمحل اور قیمتی ہے جس کو تنقید کی بجائے مسلمانوں کی زبوں حالی کا نوحہ کہنا زیادہ درست ہوگا۔ اس میں مسلمانوں خاص طور پر اہل علم مسلمانوں کے لیے غور و فکر کا بڑا سامان ہے۔ بلاشبہ مختلف مسالک کی اسیری اور دین آباء کی کورانہ تقلید سے گریز کرنا چاہئے لیکن ماضی سے قطعی بے تعلق ہونے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنے ذخیرہ علم سے بے بہرہ ہو جائیں اور ماضی میں ہمارے بزرگوں نے جو تحقیق و جستجو کی ہے اس پر خط تنسیخ پھیر دیں حالانکہ اس میں بڑے قیمتی جواہر اور در شہوار موجود ہیں۔ ماضی سے رشتہ کاٹ کر علم کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتا۔ انہوں نے فقہی مسالک کی اسیری کو انتہائی مبغوض قرار دیا ہے لیکن وہ یہ بھول گئے کہ فقہ ایک عام مسلمان کی روزمرہ کی زندگی کی ضرورت ہے۔ ہر مسلمان کا علم اتنا زیادہ نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے کہ وہ قرآن مجید سے راست استفادہ کر کے اپنی فقہ مدون کر سکے لہذا آئمہ پر تنقید ہو سکتی ہے ان کی رائے سے اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے لیکن ان کے غور و فکر اور تحقیق و جستجو کے نتائج کو نہ یک قلم منسوخ کیا جا سکتا ہے نہ ان پر جامد تفہیم کی پھبتی کسی جا سکتی ہے۔

کیا خدا نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا ہے؟

فاضل مصنف نے یہ اہم سوال بھی اٹھایا ہے کہ کیا خدا اب مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ چکا ہے حالانکہ دین کے لیے مر مٹنے والوں کی آج بھی کمی نہیں۔ دنیا کا کون سا خطہ ہے جہاں حضرت محمد ﷺ کا نام لیواؤں نے اپنے خون سے عزیمت کی داستان نہ لکھی ہو۔ افغانستان اسکی بڑی مثال ہے جہاں افغانیوں نے کمال استقامت کا مظاہرہ کیا۔ دنیا بھر کے مسلمانوں نے رو رو کر بارگاہ خداوندی میں دعائیں مانگیں، مسجدیں قنوت نازلہ کی آہ و بکا سے گونج اٹھیں لیکن خدا وہاں بھی مسلمانوں کی مدد کے لیے نہیں آیا۔ آج ساری دنیا میں مسلمانوں کا خون ارزاں اور غیرت سستی ہو گئی ہے۔ ان کے نزدیک ہمارے فقہا اور مفسرین سوال کا صحیح تجزیہ کر

کے اسکا مدلل جواب فراہم کرنے کی بجائے قرآنی آیات کی غلط تاویل کے ذریعہ ہمیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ ساری مصیبتیں اہل ایمان کی آزمائش کے لیے ہیں انہوں نے یہی سمجھا کہ دنیا تو ہے ہی مسلمانوں کے لیے آلام ومصائب کی جگہ جہاں کافروں کی چاندی ہے حالانکہ یہاں تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ اہل ایمان کے لیے دنیا میں بھی سرفرازی کا وعدہ ہے اور آخرت تو ان کے لیے ہی محفوظ ہے۔ مصنف نے اس صورت حال کی وجہ یہ بتائی ہے کہ مسلمان مجموعی طور پر شرک کے گرداب میں گرفتار ہیں۔ توحید خالص کا دامن ان کے ہاتھ سے چھٹ گیا ہے۔ توحید انسانوں کو جوڑتی ہے اور شرک ٹکڑوں میں بانٹ دیتا ہے۔ توحیدی فکر انسانوں کو خدا اور اس کے ربانی نظام میں پرونا چاہتی ہے۔ جبکہ شرک انسانوں کو خانوں میں بانٹنے اور ان کی گروہ بندیوں کے لیے حیلے بہانے تلاش کر لیتا ہے۔ اور آج امت مسلمہ جس دردناک عذاب میں گرفتار ہے وہ تفرقہ اور اختلاف کا لازمی نتیجہ ہے۔

فاضل مصنف کی یہ رائے اپنی جگہ درست ہے کہ شرک تفرقہ اور اختلاف کی تاریک اور پرپیچ وادیوں میں لے جاتا ہے لیکن عالم اسلام میں افتراق اور انتشار کی وجہ شرک کو قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ بعض عرب ممالک جہاں کی حکومتیں اور معاشرہ شرک کے سخت مخالف ہیں لیکن وہ بھی بٹے ہوئے ہیں۔ اسی طرح افغانستان کے متعلق صاحب کتاب کی رائے سے مشکل ہی سے اتفاق کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہاں طویل عرصہ سے خانہ جنگی جاری ہے۔ اقتدار کے لیے مسلمان ایک دوسرے سے برسرپیکار رہے۔ امریکہ نے جب حملہ کیا تو مسلمانوں کے ایک گروہ نے امریکہ کا ساتھ دیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ طالبان نے افغانستان میں امن قائم کیا اور اپنی فہم کے مطابق اسلام نافذ کرنے کی کوشش کی جس کے متعلق بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تعزیرات کے ذریعہ اسلام نافذ ہوسکتا ہے۔

فاضل مصنف نے کتاب میں جگہ جگہ مختلف پیرایوں میں اپنی اس بات کو دہرایا ہے کہ مسلمان جب تک فقہا اور بزرگوں کی رائے یا دین آباد کے اسیر رہیں گے ان کا پستی کی طرف سفر رک نہیں سکتا۔ اس سے صرف اس صورت سے نجات حاصل ہوسکتی ہے کہ ہم قرآن مجید کی طرف رجوع کریں اور اس سے براہ راست استفادہ کریں۔ ان کی اس رائے سے اختلافات نہیں کیا جاسکتا لیکن ان کی اس بات سے اتفاق بھی نہیں کیا جا سکتا کہ برصغیر اور دوسرے مسلمان ملکوں میں رجوع الی القرآن کی کوششیں نہیں کی گئیں۔ مصنف کا تعلق چونکہ بھارت سے ہے اس لیے وہ بخوبی جانتے ہوں گے کہ ضلع اعظم گڑھ کے قصبہ سرائے میر میں مدرسۃ الاصلاح طویل عرصہ سے قائم ہے۔ یہاں اعلیٰ عربی زبان وادب کی تدریس کے بعد قرآن مجید پر براہ راست غوروفکر کا

طریقہ سکھایا جاتا ہے۔ یہ مدرسہ کئی عشروں تک نابغہ روزگار عالم دین مولانا حمید الدین فراہیؒ کی نگرانی میں بھی کام کرتا رہا ہے اور اب بھی ان ہی کے متعین کردہ خطوط پر کام کر رہا ہے۔ قرآن مجید سے راست استفادہ کے لیے اس پر غوروفکر کا طریقہ معلوم ہونا چاہئے۔ مولانا فراہیؒ نے برسوں کی تحقیق کے بعد نظم قرآن دریافت کیا جسکے ذریعہ اللہ کی کتاب پر غوروفکر کی راہیں کھلیں۔ ان اصولوں کی بنیاد پر نامور مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے اپنی معرکہ آرا تفسیر تدبر قرآن لکھی۔ فاضل مصنف جانتے ہوں گے کہ ہر مسلمان قرآن سے راست استفادہ نہیں کرسکتا اس کے لیے قرآن کی زبان کے اسرار و رموز اور نظم قرآن جاننا ضروری ہے۔ اس کے بغیر قرآن مجید بازیچہ اطفال بن کر رہ جائے گا اور ماضی کی طرح ایک ایک آیت کی ایسی ایسی تفسیریں کی جائیں گی کہ "شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا۔"

عورت کی امامت

فاضل مصنف نے اپنے اصل موضوع سے ہٹ کر عورت کی امامت کا مسئلہ اٹھایا ہے۔ وہ اگرچہ فقہاء کے سخت مخالف ہیں لیکن یہاں انہوں نے فقہا کا سہارا لیتے ہوئے کہا ہے کہ فقہاء کے نزدیک جو شخص تقویٰ میں نسبتاً بہتر ہو دین کے فہم وبصیرت سے معمور ہو اور جسے قرآن کی ترتیل کا بہتر سلیقہ ہو وہ امامت کا اہل ہے۔ ان کے نزدیک یہ بات زیر بحث نہیں آئے گی کہ ان اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل شخص مرد ہو یا عورت ہو۔ مصنف نے اگرچہ کھل کر اپنی رائے نہیں دی لیکن وہ کہنا یہی چاہتے ہیں کہ عورت امامت کرا سکتی ہے۔ یہاں پر چند سوالات پیدا ہوئے ہیں:

۱۔ مرد کے قوام ہونے کے کیا معنی ہیں؟

۲۔ کیا باپ کی موجودگی میں ماں خانداں کی سربراہ ہوسکتی ہے؟

۳۔ اگر عورت امام ہوسکتی ہے تو کیا وہ سربراہ مملکت بھی ہوسکتی ہے؟

فاضل مصنف اس بات پر سخت برہم ہیں کہ عورت کو مکمل ملفوف کر کے سیاسی وسماجی رول سے محروم کر دیا گیا ہے۔ کیا علماء کے پاس اسکی کوئی دلیل ہے۔ انہوں نے یہ الزام بھی لگایا ہے کہ مسلم معاشرہ میں بعض لوگ کسی ثابت شدہ جرم کے بغیر عورتوں کو ان کے گھروں میں عمر قید کی سزا دینے کے طالب ہیں حالانکہ مرد اور عورت دونوں اس صلاحیت سے متصف ہیں کہ وہ تقویٰ کے راستہ پر ایک دوسرے سے سبقت لے جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف عورت کے سماجی اور سیاسی رول میں پردہ کو رکاوٹ سمجھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اس

رول کے بغیر عورت تقوٰی کا راستہ اختیار نہیں کر سکتی۔

تحریک جدید و اصلاح

فاضل مصنف چونکہ ماضی کی اصلاحی تحریکوں سے مطمئن نہیں، ان کے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں کہ وہ کسی خاص فقہ یا نقطۂ نظر کے فروغ کے لیے برپا کی گئیں اس لیے انہوں نے امت کو تقسیم در تقسیم کر دیا لہٰذا انہوں نے تحریک جدید و اصلاح کے لیے اپنا نہج پیش کیا ہے جسکی اہم باتیں یہ ہیں۔

۱۔ وحی اور عقل کو ایک دوسرے کی ضد تصور نہ کیا جائے۔

۲۔ تقلید سے گریز کیا جائے۔

۳۔ وحی کے علاوہ کسی عام انسان کے الہام یا اس کو حاصل ہونے والی تائیدِ ایزدی کو مطلق اہمیت نہ دی جائے۔

۴۔ امت محمدیہ کی نفسیات کے حصار سے نکل کر امت مسلمہ میں داخل ہو کر آفاقی نقطۂ نظر اختیار کیا جائے۔

۵۔ چودہ صدیوں پر محیط اسلام کے تہذیبی ورثہ پر تنقیدی نظر ڈالی جائے۔ قرآن و سنت کے علاوہ کوئی چیز تحلیل و تجزیہ اور محاکے سے بالاتر نہیں ہونی چاہیے۔

۶۔ نص قرآنی یعنی شرع اور مدون شریعت میں امتیاز کیا جائے کیونکہ مدون شریعت فتنہ کا باعث بنی۔

مابعد جمہوریت اور اسلام

فاضل مصنف نے اس عنوان سے ایک بڑا اہم اور مفید باب رقم کیا ہے جس میں انہوں نے موجودہ عالمی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے بالکل درست کہا ہے کہ آج فروغ جمہوریت کے نام پر امریکی قیادت میں جو جنگ لڑی جا رہی ہے وہ دراصل ایک عالمی نظام استبداد کے قیام کی جنگ ہے۔ اب تک یہ کہا جاتا تھا کہ جمہوریت سیاسی اور سماجی تبدیلی کا ایک پر امن طریقہ ہے جسے انسانوں نے صدیوں کے تہذیبی سفر میں دریافت کیا ہے لیکن اب مغربی جمہوریت کے سلسلہ میں یہ خام خیالی ختم ہو رہی ہے۔ اب جمہوریت نام ہے دو برائیوں میں سے کم تر برائی کے انتخاب کا۔ امریکہ اور برطانیہ کے حالیہ عام انتخابات میں عوام کو گندے انڈوں اور سڑے ٹماٹروں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ مہذب جمہوری معاشروں میں جب عوام کی امنگوں اور آرزوؤں کے مطابق متبادل مفقود ہو جائے اور انہیں ناپسندیدہ عناصر میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے تو یہ

انتخابات انسانی معاشرہ کو آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے کی طرف ... ئیں گے۔ یہ صورت حال دنیا کو رفتہ رفتہ نیک اور امن پسند انسانوں کے لیے ایک قید خانہ میں تبدیل کر دے گی۔ انہوں نے سوال کیا کہ ان جمہوری معاشروں میں قوت کے مراکز کہاں ہیں، ان کو کہاں سے ریموٹ کنٹرول کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بظاہر تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ امریکی استعمار دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اپنے فوجی اڈوں اور تہذیبی مراکز کے ذریعہ دنیا کو اپنے شکنجے میں کسے ہوئے ہے لیکن اس استبدادی نظام کے اندر کچھ ایسے غیر محسوس پر اسرار ہاتھ بھی ہیں جن پر اب کسی ریاست کا واقعی کنٹرول نہیں رہ گیا ہے۔ ملٹی نیشنل تجارتی کمپنیاں بین الاقوامی نوعیت کی رفاہی تنظیمیں بے پناہ وسائل رکھنے والے ٹرسٹ اور تہذیبی ادارے، غیر معمولی سرمایہ کی حامل مالیاتی تنظیمیں اور میڈیا چینل جو چند افراد کی ملکیت ہیں استبدادی نظام کے اندر غیر محسوس طور پر اپنا رول انجام دیتی ہیں۔ ان سرمایہ دار کمپنیوں نے ذرائع ابلاغ کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ مثال کے طور پر جنرل الیکٹرک کمپنی کو لیجیے جس کی ملکیت CNBC،MSNBC اور NBC ایسی میڈیا کمپنیاں ہیں اس طرح CNN ٹائم وارنر کی ملکیت، ABC ڈزنی کی ملکیت اور CBS وائیکوم کی ملکیت ہے۔ یہ میڈیا چینل کبھی صحیح صورت حال سے عام لوگوں کو باخبر نہیں کرتے اور صرف وہی دکھاتے ہیں جو سرمایہ داروں کی اپنی آرزوؤں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ فاضل مصنف کا یہ مشاہدہ بالکل درست ہے۔ اسکی تازہ ترین مثال افغانستان اور عراق میں امریکی حملے ہیں۔ امریکی میڈیا کو عراق سے جانے والے امریکی فوجیوں کے تابوت دکھانے کی اجازت نہیں ہے۔ صاحب کتاب نے بتایا ہے کہ اس صورت حال نے مغربی جمہوریت کو ایک اندھی گلی میں پہنچا دیا ہے اور فرد ایک فکری اور نظریاتی خلا سے دوچار ہو گیا ہے۔

جمہوریت کی ناکامی کا نوحہ کرتے ہوئے فاضل مصنف نے موجودہ صورت حال کو مابعد جمہوریت کا نام دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اب انسانوں کے پاس کوئی نظریہ نہیں بچا ہے اور دنیا مستقبل سے بے خبر نامعلوم منزل کی طرف سفر کرنے پر مجبور ہے اس لیے اب متبادل نظام کی طلب بڑھ رہی ہے۔ ان حالات میں مسلمان ہی نجات دہندہ ثابت ہو سکتے ہیں لیکن اگر انہوں نے ایک عالمی تحریک نجات کی قیادت سنبھالنی ہے تو انہیں عام انسانوں پر یہ بات واضح کرنا ہوگی کہ وہ سرمایہ دارانہ استبداد کے خاتمہ کے بعد ایک ایسے قرآنی معاشرہ کی تشکیل کا منصوبہ رکھتے ہیں جس میں تمام انسانوں کو پھلنے پھولنے کے یکساں مواقع میسر آئیں گے۔ اس آفاقی پیغام کو مسلم قومی ورثہ سے نکال کر انسانیت کے مشترکہ منشور کے طور پر پیش کرنا ہوگا۔ ان کا خیال ہے کہ اگر مسلمان فی زمانہ پیغمبرانہ لب و لہجہ کی تشکیل کر سکیں تو یہ معاصر تاریخ کا اتنا بڑا واقعہ ہوگا کہ جس سے ایک نئی دنیا جنم لے سکتی ہے۔ ہمارے نزدیک قرآنی معاشرہ کی تشکیل کے لیے ہمیں وہ بنیادیں تلاش کرنا ہوں گی جو سارے انسانوں میں مشترک ہیں اور جن ہی پر انسان کے لیے اپیل ہے۔ قرآن کے راست مطالعہ سے معلوم

ہوتا ہے کہ وہ بنیادیں عقل و فطرت ہیں ہر انسان ان دونوں نعمتوں سے متصف ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم عقل کے مقتضیات سے اور فطرت کے داعیات کو جو قرآن نے واضح طور پر بیان کئے ہیں دنیا کے سامنے پیغمبرانہ لب و لہجہ میں حکمت اور خیر خواہی کے جذبہ سے پیش کریں۔

اس باب میں مرکز ملت ابراہیمی...... خانہ کعبہ...... کو کفار کے قبضہ سے آزاد کرانے کے لیے مسلمانوں کو جہاد پر ابھارا گیا ہے۔ اس جہاد ہی کے مقصد سے انفاق کا جذبہ بھڑکایا گیا ہے۔ بنی اسرائیل نے اپنے قبلہ کو فلسطینیوں سے آزاد کرانے کے لیے جو جنگ لڑی اور جو مختلف پہلوؤں سے ہمارے غزوۂ بدر سے مشابہ تھی، اس کا حوالہ دیا گیا ہے۔ پھر ایک جملہ معترضہ کے بعد انفاق پر مزید زور دیا گیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں مثالوں سے واضح فرمایا گیا ہے کہ کس طرح کے لوگ ہیں جن کو خدا تاریکی سے روشنی کی طرف لاتا ہے اور کس طرح کے لوگوں کو تاریکیوں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے بعد انفاق کی برکات، اس کے شرائط، اس کی خصوصیات اور اس کے بعض اہم مصارف کی طرف اشارات ہیں اور ساتھ ہی جو چیز اس کی بالکل ضد ہے یعنی سود، اس کی حرمت بیان کی گئی ہے اور قرض کے لین دین میں جو احتیاط اسلامی نقطۂ نظر سے ضروری ہے اس کے متعلق بعض احکام دیے گئے ہیں۔

(تفسیر تدبر قرآن)

حکومت کی دوسری قسم حکومت و پادشاہی کا سرچشمہ نماز نہیں، بلکہ عصبیت ہے۔ عصبیتیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں، خون کی عصبیت، رنگ کی عصبیت، سرزمین اور وطن کی عصبیت وغیرہ وغیرہ۔ نسل اور خون، رنگ اور سرزمین اور تمدن میں سے کوئی چیز انسانوں کی کسی جماعت اور گروہ میں اجتماع اور اتحاد کی وہ حالت پیدا کر دیتی ہے، جس سے حکومت کی ایک شکل قائم ہو جاتی ہے۔ یہ حکومت رنگ اور نسل کے امتیازات پر قائم ہوتی اس لیے عدل الٰہی سے یکسر خالی ہوتی ہے۔ اس کے تمام فوائد انسانوں کے ایک مخصوص گروہ کو حاصل ہوتے ہیں۔ اس کی بہتر سے بہتر شکل بھی انسانیت کے لیے عذاب اور لعنت ہے۔ موجودہ زمانہ کی تمام حکومتیں اور پچھلے زمانوں کی تمام غیر الٰہی حکومتیں اسی عصبیت کے ذریعہ وجود میں آئی ہیں اور ان کی حقیقت ڈاکوؤں کے منظم جتھوں سے زیادہ نہیں ہے۔

(حقیقت نماز)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مراسلہ و مذاکرہ

سوال: جماعت اسلامی سے اختلاف کے بعد آپ نے اپنی کوئی جماعت تیار نہیں کی جو آپ کے نظریات کو پھیلائے اور قرآن کے مطابق لوگوں کو تلقین کرے۔

جواب: اس میں شبہ نہیں کہ جماعت اسلامی سے مجھے بڑا تلخ تجربہ ہوا ہے۔ جس کے بعد مجھ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اس سے بڑی ضلالت کوئی نہیں ہو سکتی کہ کچھ مسلمانوں کو امت سے کاٹ کر کوئی جماعت بنالی جائے۔ میں کہتا ہوں کہ پوری امت ہماری جماعت ہے۔ ہم امت مسلمہ کے خادم ہیں۔ اس خدمت کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز پر اس امت کی بنیاد ہے یعنی قرآن وسنت اس کو سمجھا اور سمجھایا جائے۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے طریقہ سے کام کرتا ہے۔ میں اس بات کو ٹھیک نہیں سمجھتا کہ دوسروں سے پیسے مانگ کر اشتہار دوں۔ اشتہار بازی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میرا کام یہ ہے کہ مجھے جتنی فرصت میسر آتی ہے میں دین کا خود مطالعہ کرتا ہوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ دین سکھانے سے پہلے مجھے خود دین سیکھنا چاہیے۔ جتنا وقت میں آپ کو دین سکھانے پر صرف کرتا ہوں اس سے زیادہ وقت میں اپنے آپ کو سنوارنے پر صرف کرتا ہوں۔ آپ کو اگر حدیث پڑھانے کے لیے بیٹھتا ہوں تو اس حدیث کو خود سمجھنے کے لیے مجھے کافی وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔ قرآن جو پڑھتا ہوں تو قرآن میری زندگی بھر کا موضوع رہا ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ کچھ لوگ تیار ہوں خواہ وہ کتنی ہی قلیل مقدار میں کیوں نہ ہوں لیکن وہ دین کا صحیح فہم اور علم رکھنے والے ہوں تاکہ وہ اس قوم کے اندر روشنی کا کام دے سکیں۔ لوگوں کو بتائیں کہ ہمارا دین یہ ہے، کتاب وسنت کی تعلیم یہ ہے، اس کا ہماری زندگی سے کیا تعلق ہے اور لوگوں کو دین کے سمجھنے کا طریقہ بتائیں کہ اس کو اس طرح سمجھنا چاہیے اور

اس طریقہ سے نہیں۔

میری کوئی پارٹی نہیں ہے۔ آپ سب میرے ساتھی ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ کون کتنا سیکھ رہا ہے لیکن میرا فرض ہے کہ جو میں جانتا ہوں وہ بتاؤں اس کے لیے میں نے بخل سے کام نہیں لیا۔ میں نے مفت پایا ہے مفت بانٹ رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ان ہی میں سے اللہ کے وہ بندے پیدا ہوں گے جو میرے بعد بھی کچھ نہ کچھ دین کی خدمت کرتے رہیں گے۔ وہ میرے ساتھی ہیں مجھے ان سے امیدیں ہیں۔ میں امت کے اندر سے مسلمانوں کو کاٹ کر پارٹی بنانے کو فتنہ سمجھتا ہوں۔ جو لوگ تعلیم و تربیت کا کام کر سکتے ہیں وہ یہ کام کریں خواہ چند آدمیوں کی تعلیم و تربیت کریں۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔

سوال: بیت المقدس کی تعمیر حضرت سلیمانؑ کے ہاتھوں ہوئی۔ کیا اللہ کے اس نبی نے سنت ابراہیمؑ سے انحراف کر کے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا۔

جواب: بیت المقدس کے قدیم نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سب سے بڑی قربانی جس کو وہ قدس الاقداس کہتے ہیں اس کا قبلہ بیت اللہ تھا۔ حضرت سلیمانؑ نے جو قربان گاہ تعمیر کی تھی اس کا رخ بیت اللہ کی طرف تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے بھی قربان گاہ کا وہی رخ رکھا جو حضرت ابراہیمؑ نے رکھا تھا۔ ہمارے اور اہل کتاب کے درمیان یہی جھگڑا ہے جس کی وجہ سے یہ مسئلہ تحقیق طلب ہو گیا ہے۔ ہر مسئلہ بڑی علمی تحقیق کا طالب ہے۔ تحقیق کے لیے جو مواد ہو سکتا تھا اور جو تاریخی ریکارڈ مطلوب تھا وہ تورات ہی میں ہو سکتا تھا۔ لیکن یہود نے تورات سے ان تمام چیزوں کو چھانٹ کر نکال دیا ہے مگر حقیقت تو چھپی نہیں رہتی۔ اس کے تمام آثار اور دلائل اب بھی تورات میں موجود ہیں۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ نے اپنی کتاب 'ذبیح کون ہے' میں ان سب کو جمع کر دیا ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے جو قربان گاہ تعمیر کی تھی اس کا رخ بیت اللہ کی طرف تھا اس لیے حضرت سلیمانؑ نے سنت ابراہیم سے انحراف نہیں کیا بلکہ یہود نے حقائق کو مسخ کر دیا ہے اس لیے بیت المقدس کی تعمیر کے مقصد کے بارے غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔

سوال: ایک عالم دین کی رائے میں اراضی کو بٹائی پر دینا کسی حد تک جائز ہے مگر ٹھیکہ پر دینا جائز نہیں۔ اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں۔

جواب: میں کوئی مفتی نہیں ہوں لیکن میرے رائے میں بٹائی پر اراضی دینا کسی حد تک نہیں بلکہ بالکل

جائز ہے۔ ٹھیکہ پر دینے میں یہ قباحت ہوتی ہے کہ اگر ایک سال کے لیے آپ نے اراضی ٹھیکہ پر دی ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس سال فصل خراب ہو جائے تو ٹھیکیدار کو خسارہ ہو جائے گا کیونکہ آپ تو اپنا ٹھیکہ وصول کر لیں گے۔ لیکن اس زمانہ میں یہ مشکل آن پڑی ہے اگر آپ بٹائی پر دیں تو مزارع ٹھیک سے کام نہیں کرتے۔ میں زمیندار بھی رہا ہوں اور مجھے تجربہ ہے کہ ٹھیکیدار کا اصرار ہوتا ہے کہ زمین ٹھیکہ پر دے دی جائے۔ میں اپنا باغ ٹھیکہ پر نہیں دینا چاہتا تھا میں نے ٹھیکیدار سے کہا کہ باغ جب پکنے کے قریب ہو تو آئے اس نے کہا کہ اس وقت آپ نے نہ دیا اور اس وقت ہمیں کہیں باغ نہ ملا تو ہمارے بچے کیا کھائیں گے۔ ہم انتظار نہیں کر سکتے اس لیے آج ہمیں باغ دے دیجیے چاہے کتنے ہی سال کے لیے دے دیجیے۔ ان کا یہ عذر بڑا معقول ہے اس وجہ سے اس معاملہ پر غور کرنا پڑے گا۔ بٹائی بہت عمدہ طریقہ ہے۔ اگر مزارع ٹھیک سے کام کریں تو ان کے لیے بھی نفع ہے اور زمین کے مالک کے لیے بھی نفع ہے لیکن اس مدت میں نقصان کا اندیشہ بھی ہے اس کی تلافی کی شکل کیا ہوگی؟

یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اراضی دو تین سال کے لیے بٹائی پر دی جائے۔ اگر ایک سال فصل خراب ہو گئی یا کچھ نقصان ہوا تو دوسرے سال اس کی تلافی ہو سکتی ہے۔ اس مسئلہ پر میری رائے یہی ہے، اسی طریقہ سے نقصان سے بچا جا سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کل مزارع کا رجحان یہ ہوتا ہے کہ اسے ایک سال دو سال بلکہ تین سال کے لیے زمین مل جائے تاکہ وہ اطمینان سے اپنا ڈیرہ بنا لے اپنے مویشی رکھ لے اور کھیتی کرے۔ ایک سال کے لیے وہ زمین نہیں چاہتے اور نہ ہی باغ چاہتے ہیں۔ وہ نیلام میں آنے سے گھبراتے ہیں اس لیے چاہتے ہیں کہ جس کے ساتھ تعلقات ہیں اسی سے معاملہ ہو جائے اور باغ انہی کے قبضہ میں رہے۔ یہ عملی مشکلات ہیں۔ اس مسئلہ پر غور کرنے اور اجتہاد کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

سوال: تعلق باللہ کے لیے کشف کی اہمیت کیا ہے۔ اہل تصوف کہتے ہیں کہ وہ کشف کے ذریعہ سے اعمال کی مقبولیت اور خیالات کی جانچ بھی کر سکتے ہیں۔

جواب: اہل تصوف کے ساتھ میرا سخت اختلاف ہے۔ ان کی بنیاد شریعت پر نہیں ہے اور میں شریعت کا غلام ہوں۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ کشف ایک ذریعہ علم ہوگا۔ ممکن ہے مجھے بھی کشف ہوتا ہو۔ چونکہ مجھے اپنے کشف پر اعتماد نہیں اس لیے میں اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ خواب بھی

دیکھتا ہوں۔ بعض مرتبہ سچے ہو جاتے ہیں بعض مرتبہ یوں ہی لغو ہوتے ہیں۔ بعض مرتبہ واقعی کشف ہو جاتا ہے، عین موقع پر ایک حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ موطأ کے درس کے لیے مطالعہ کرتا ہوں تو بعض مرتبہ کوئی حدیث سمجھ میں نہیں آتی اور اچانک کشف ہو جاتا ہے اور حدیث واضح ہو جاتی ہے۔ کشف کے متعلق یاد رکھیے کہ صرف رسول ﷺ کا معتبر ہے اور کسی کا معتبر نہیں یہ ایک مشتبہ چیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کشف رحمانی ہو، ہو سکتا ہے کہ شیطانی ہو۔ اس لیے مشتبہ چیز پر اعتماد کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ شریعت کے متعلق اعمال کی مقبولیت وغیرہ کا اندازہ کرنے کے معاملات بڑے نازک ہیں۔ اگر کوئی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کشف کے ذریعہ سے معلوم کر لیتے ہیں تو میرا خیال ہے کہ یہ بہت بڑا دعویٰ ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اللہ اور رسول کے جو احکام ہیں ان کو نیک نیتی کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کریں اور امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا اچھا صلہ دے گا۔ یہ نہیں معلوم کہ اعمال میں کتنا کھوٹ ہے۔ اس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ کشف سے اگر آپ نے معلوم کیا تو بڑے خطرناک نتائج نکل سکتے ہیں اس لیے شریعت کو کسوٹی بنائیے۔ اچھا خواب دیکھا ہے تو اس کا خوشگوار اثر لینا چاہیے۔ اگر برا خواب دیکھا ہے تو اس کا ناگوار اثر لینا چاہیے لیکن اس کے اوپر یقین نہیں کر لینا چاہیے۔ اس پر عمارت قائم نہیں کرنی چاہیے۔ حضور نے یہ تشریح فرما دی ہے کہ خواب کی کوئی حقیقت نہیں۔

(ترتیب: سید اسحاق علی)

فاران فاؤنڈیشن

* پبلشرز
* بک سیلرز

فرسٹ فلور، ملک بلڈنگ، 19۔ اے ایبٹ روڈ، لاہور۔
فون: 6303244-42-92+ ای میل: faran@wol.net.pk

پرائس لسٹ

نام کتاب	قیمت
تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ	
1. مجموعہ تفاسیر فراہی	Rs. 400.00
2. * تفسیر قرآن کے اصول	Rs. 80.00
3. حکمت قرآن	Rs. 120.00
تالیفات مولانا امین احسن اصلاحیؒ	
1. تدبر قرآن — کامل (۹ جلد)	Rs. 3,330.00
(فی جلد)	Rs. 370.00
2. قرآن حکیم، مع ترجمہ و اخذ و تلخیص تفسیر تدبر قرآن (سٹینڈرڈ ایڈیشن)	Rs. 600.00
(حمائل ایڈیشن)	Rs. 425.00
3. قرآن مجید مترجم، بین السطور ترجمہ	Rs. 520.00
4. اشاریہ تفسیر تدبر قرآن	Rs. 160.00
5. * تدبر حدیث — شرح امام مالکؒ	Rs. 350.00
6. * تدبر حدیث — شرح صحیح بخاری (جلد اول)	Rs. 360.00
7. * تدبر حدیث — شرح صحیح بخاری (جلد دوم)	Rs. 360.00
8. مبادئ تدبر قرآن	Rs. 160.00
9. مبادئ تدبر حدیث	Rs. 130.00
10. حقیقت شرک و توحید	Rs. 210.00
11. حقیقت نماز	Rs. 75.00
12. حقیقت تقویٰ	Rs. 75.00
13. تزکیہ نفس — کامل	Rs. 300.00

نام کتاب	قیمت
13. تزکیہ نفس — جلد دوم	Rs. 150.00
14. دعوت دین اور اس کا طریقہ کار	Rs. 160.00
15. اسلامی قانون کی تدوین	Rs. 110.00
16. اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	Rs. 110.00
17. اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	Rs. 160.00
18. قرآن میں پردے کے احکام	Rs. 20.00
19. فلسفے کے بنیادی مسائل — قرآن حکیم کی روشنی میں	Rs. 170.00
20. تفہیم دین	Rs. 130.00
21. مقالات اصلاحی (جلد اول)	Rs. 240.00
22. مقالات اصلاحی (جلد دوم)	Rs. 275.00
23. * اصول فہم قرآن	Rs. 34.00
24. اسلامی ریاست (زیر طبع)	----
تالیفات مولانا خالد مسعودؒ	
قرآن حکیم، مع ترجمہ و اخذ و تلخیص تفسیر تدبر قرآن، ترجمہ: مولانا امین احسن اصلاحیؒ، حواشی: مولانا خالد مسعودؒ (سٹینڈرڈ ایڈیشن)	Rs. 600.00
(حمائل ایڈیشن)	Rs. 425.00
حیات رسول امی ﷺ	Rs. 375.00
اسباق نحو	Rs. 36.00